ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بحیثیت مصنف

حصہ سوم

از

شکیل رشید

ایڈیٹر ممبئی اردو نیوز

ترتیب و تقدیم

محمد عرفات اعجاز اعظمی

ادبی دائرہ
اعظم گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بحیثیت مصنف

[حصہ سوم]

از

شکیل رشید

ایڈیٹر: ممبئی اردو نیوز

ترتیب وتقدیم

محمد عرفات اعجاز اعظمی

ادبی دائرہ اعظم گڑھ

تفصیلات

○ کتاب	:	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف [۳]
○ تبصرے	:	شکیل رشید [ایڈیٹر: ممبئی اردو نیوز]
○ ترتیب وتقدیم	:	محمد عرفات اعجاز اعظمی
○ صفحات	:	۱۰۸
○ باراول	:	۲۰۲۳ء
○ قیمت	:	Rs: 150/-
○ مطبع	:	

ملنے کے پتے

○ شبلی انسٹی ٹیوٹ (عقب آواس وکاس) اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱

○ مکتبہ جامعہ، لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

○ اعظمی کتاب گھر پیرا ڈائز ٹریولس تکیہ، اعظم گڑھ-موبائل: ۹۶۹۵۱۷۴۷۹۹

○○○

○

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

کے

قدردانوں کے لیے

○○○

مشمولات

○ حرف آغاز ۶

۱- علم و آگہی سے بھرے ہوئے ''محبت نامے'' ۱۱
۲- مراسلاتِ شبلی ۱۵
۳- نوادراتِ شبلی ۱۸
۴- شبلی خودنوشتوں میں ۲۲
۵- قد اور سائے [گراں قدر ادبی مضامین] ۲۶
۶- علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں [حزنیہ شہ پارے] ۲۹
۷- نقوشِ شبلی [ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ایک اور کارنامہ] ۳۲
۸- کلامِ شبلی کے اعلام و اشخاص [ایک اہم کتاب] ۳۹
۹- ''بیانِ شبلی-۱'' کا بیان ۴۴
۱۰- تصانیفِ شبلی کے تراجم [ایک وقیع تحقیق] ۴۹
۱۱- مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ [باتیں عروج و زوال کی] ۵۵
۱۲- نودریافت خطباتِ شبلی [ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ایک اور کارنامہ] ۶۲
۱۳- علامہ شبلی اور انجمن ترقیِ اردو [ایک لاجواب تحقیقی کتاب] ۶۷

۱۴- مکتوباتِ شبلی	۷۳
۱۵ علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ	۷۹
۱۶- افاداتِ شبلی	۸۱
۱۷- حرف واثر	۸۳
۱۸- شبلی کے مکتوب الیہ	۸۵
۱۹- اثراتِ شبلی [علامہ شبلی پر کتابیں یا انسائیکلوپیڈیا]	۸۷
۲۰- شبلی اقتباسات کی روشنی میں	۹۲
۲۱- بیانِ شبلی-۲	۹۴
۲۲- ضمیمہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف	۹۶
اشاریہ	۹۹

○○○

حرفِ آغاز

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف'' کا تیسرا حصہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس حصے میں روزنامہ ''ممبئ اردو نیوز'' کے مدیر شکیل رشید صاحب کے تبصرے شامل کیے گئے ہیں۔شکیل رشید صاحب ایک بہترین انسان اور خلیق وملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔علم وکتاب سے اُن کو خاص لگاؤ ہے۔کتابی دنیا کے بہترین مبصر اور تجزیہ نگار ہیں۔ صحافت سے منسلک ہونے کی وجہ سے غیر کتابی دنیا سے بھی پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ ان کے کتابی اور غیر کتابی دونوں طرح کے تبصرے اور تجزیے بصیرت افروز اور حقیقت نما ہوتے ہیں۔اردو صحافت اور علمی دنیا میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔

شکیل رشید پورے بہبل ضلع سلطان پور یوپی سے وطنی تعلق رکھتے ہیں۔اگست ۱۹۶۰ء میں وہیں پیدا ہوئے،تعلیم کی ابتدا گاؤں کے مکتب ''مدرسہ محمدیہ'' سے کی۔ان کی عمر کا زیادہ حصہ ممبئ میں گزرا۔انجمن اسلام ہائی اسکول ممبئ سے میٹرک کی،مہاراشٹرا کالج سے سیاسیات میں گریجویشن کیا،اس کے بعد ایل،ایل،بی میں داخلہ لیا،مگر بوجوہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔تقریباً تیس سال سے اردو صحافت سے وابستہ ہیں۔ روزنامہ ''ہندستان'' سے صحافت کا سفر شروع کیا،ایک لمبی مدت تک ہفت روزہ ''اخبار عالم'' سے منسلک رہے، روزنامہ ''انقلاب'' اور ''اردو ٹائمز'' ان کی صحافتی سفر کے پڑاؤ بنے اور فی الحال ''ممبئ اردو نیوز'' سے وابستہ ہیں۔

اپنی صحافتی زندگی میں شکیل رشید صاحب نے کئی اہم انٹر یو کیے، تفتیشی رپوٹیں لکھیں اور متعدد انعامات حاصل کیے۔ صحافت کے طلبہ کی تربیت بھی ان کے دائرۂ عمل کا ایک حصہ ہے۔ ممبئ یونی ورسٹی میں مختلف مواقع پر صحافت کے طلبہ کو خطاب کیا، اپنے لکچروں سے ان کی رہنمائی کی اور عملی صحافت کی تربیت بھی دی۔

کتابیں پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اردو کے ساتھ انگریزی بھی ان کے مطالعہ کی زبان میں شامل ہے۔ مطالعہ کے سلسلے میں ان کے یہاں وقت اور جگہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ ۲۰۱۳ء میں مکتبہ جامعہ ممبئ میں ان سے بہت سی ملاقاتیں رہیں، کم ہی ایسا اتفاق ہوا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہ رہی ہو۔ ممبئ کی پُرشور سڑک کے کنارے مکتبہ جامعہ کی میز پر اکثر میں نے ان کو محوِ مطالعہ دیکھا ہے۔

پڑھنے کے ساتھ ان کے یہاں لکھنے کا عمل بھی تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ ایک مدت سے ہر اتوار کو ''سنڈے اسٹوری'' لکھتے آرہے ہیں، جس کا موضوع حالات حاضرہ ہوتے ہیں۔ ان کا کالم ''اتواریہ'' پابندی سے شائع ہوتا ہے اور شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ کتابوں سے بے حد شغف ہونے کی وجہ سے کتابیں پڑھ کر ان پر تبصرے کرنا ان کا دل چسپ مشغلہ ہے۔ تقریباً ہر اتوار کو ''ممبئ اردو نیوز'' میں ان کے تبصرے شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''اردو بک ریویو' دہلی میں بھی سے ان کے تبصرے پڑھنے کو ملتے رہتے ہیں۔

شکیل رشید صاحب کے تبصرے کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے وزن دار ہوتے ہیں۔ کتاب پر تبصرہ یا تعارف کا ان کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ عموماً ان کے تبصرے تعارفی نوعیت کے ہوتے ہیں جس میں کتاب سے متعلق ساری ضروری باتیں آجاتی ہیں۔ ان کے تبصروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ زبان اتنی عمدہ اور اندازِ تحریر ایسا دل نشیں

ہوتا ہے کہ تبصرہ پڑھنے کے بعد متعلقہ کتاب کے مطالعے کی طرف طبیعت خود بہ خود راغب ہوجاتی ہے۔ اور یہ خوبی ایسی ہے جو ایک مبصر کو نمایاں اور کام یاب بناتی ہے۔

شکیل رشید صاحب نے تنقیدی نوعیت کے تبصرے بھی لکھے ہیں اور اس کمال کے لکھے ہیں کہ پڑھ کر دماغ روشن ہوجائے۔ تنقیدی تبصروں میں ان کی تنقید کی لے بڑی دھیمی ہوتی ہے، بلند بانگ دعووں اور ہتک آمیز رویے کے ساتھ وہ تنقید نہیں کرتے، بلکہ ان کی تنقید کا مقصد تعمیر ہوتا ہے، تخریب یا توہین نہیں ہوتا۔ ایک طویل مدت سے وہ کتابوں پر تبصرے کرتے آرہے ہیں، سیکڑوں کتابوں سے اپنے قارئین کو روشناس کراچکے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں تبصرے لکھنے کے باوصف کہیں ان کا قلم جادۂ اعتدال سے ہٹتا ہوا نظر نہیں آیا اور نہ کہیں کسی تبصرے میں ذاتی یا گروہی تعصب کا اظہار ہوا ہے۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے صرف اپنے ہم مشرب اور ہم خیال لوگوں کی کتابوں پر ہی تبصرہ کیا ہو، اپنے سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کی کتابوں پر بھی ان کے ڈھیر سارے تبصرے موجود ہیں، مگر کیا مجال ہے کہ ان کا قلم کسی مقام پر پھسلتا یا بہکتا ہوا محسوس ہو۔ اردو دنیا کے جو مشہور و معروف مبصرین تھے یا جو اس وقت ہیں، مجموعی طور پر ان سب کے یہاں یہ خوبی کم کم نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اور شکیل رشید میں گہرے اور دیرینہ مراسم ہیں۔ اسی راہ و رسم کا اثر ہے کہ شکیل رشید نے ڈاکٹر صاحب کی ۲۱- کتابوں پر تبصرے کیے ہیں۔ یہ تبصرے جانبین کی مودت کی دلیل بھی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے قدردانی کا اظہار بھی۔ ان تبصروں میں آپ کو تنقید و تعارف دونوں کا لطف ملے گا، مگر عموماً ہر تبصرے میں تعارفی اور تعریفی پہلو غالب نظر آئے گا، کہیں کہیں کھل کر اور کہیں تعارف و تعریف کے متوازی زیریں سطح پر نقد کی بے تاب موجیں بھی دیکھنے کو مل جائیں گی، لیکن سرسری طور پر

اس کو سمجھنا یا محسوس کرنا مشکل ہے، بہ نظرِ غائر اگر دیکھا جائے تو اس کا ادراک و احساس کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی بعض کتابوں پر ان کے سیر حاصل تبصرے ایسے پُر کیف، شان دار اور جامع ہیں کہ وہ تعارف و تبصرہ کی صف سے نکل کر مکمل و مدلل مقالے کی صورت اختیار کر لیے ہیں، ایسے تبصروں میں سرفہرست ''تصانیف شبلی کے تراجم''، ''مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ'' اور ''علامہ شبلی اور انجمن ترقیِ اردو'' ہیں۔ اس طرح کے تبصروں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شکیل رشید کتابوں کو پہلے پوری دل جمعی اور لگن کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس کے جواز اور مقاصد پر غور کرتے ہیں، کتاب کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر پوری دل بستگی اور انشراحِ قلب کے ساتھ تعارف و تبصرہ کے لیے قلم اٹھاتے ہیں اور نقد و نظر سے کام لیتے ہوئے پوری کتاب کا نچوڑ اپنے قارئین کے سامنے بے کم و کاست رکھ دیتے ہیں۔ ان کے اس طرح کے تبصروں میں نقد و مدح پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں، جہاں نقد و اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں دل آزاری اور تعلّی کے بغیر مدھم سروں میں نقد و اصلاح کر کے نکل جاتے ہیں اور جہاں مدح و ستایش اور اظہار قدر دانی کی ضرورت پڑتی ہے، وہاں کھل کر تعریف و قدر دانی کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں عمل اپنے اپنے مقام پر ضروری ہیں، ان کی ضرورت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔

اس کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی ۲۱- کتابوں پر تبصرے شامل ہیں اور یہ سارے تبصرے ''ممبئ اردو نیوز'' کے اتوار ایڈیشن کے صفحات سے نقل کیے گئے ہیں۔ جن میں پانچ تبصرے [حرف و اثر، افاداتِ شبلی، بیانِ شبلی-۲، شبلی اقتباسات کی روشنی میں اور شبلی کے مکتوب الیہ] اطلاعی نوعیت کے ہیں، بقیہ سیر حاصل تعارفی تبصرے ہیں۔ ان کتابوں میں دو کتاب ''قد اور سائے'' اور ''حرف و اثر'' مجموعۂ مضامین اور ایک کتاب

''محبت نامے''، مجموعہ مکاتیب ہے، بقیہ ساری کتابیں ڈاکٹر صاحب کے شبلی شناسی کے سلسلے کی ہیں۔ کتاب کے آخر میں ''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف'' [حصہ اول] پر شکیل رشید صاحب کے تبصرے کو بہ طور ضمیمہ شامل کرنا مناسب معلوم ہوا، اس لیے شامل کرلیا گیا ہے۔

یہ تبصرے اس غرض سے شائع کیے جارہے ہیں کہ ان سے اندازہ ہوسکے کہ سرزمین اعظم گڑھ سے طلوع ہونے والے آفتاب کی شعاعیں کس قدر تاب ناک اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والی ہیں اوراس کے بارے میں ایک ذی علم اور دیدہ ورمبصر کی کیا رائے ہے! اور یہ کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی علمی تحقیقات وتصنیفات کس پایہ کی ہیں اور معتبر اہل علم کے درمیان ان کی کیا حیثیت ہے۔ اور اس غرض سے بھی شائع کیے جارہے ہیں کہ مستقبل میں یہ تبصرے ڈاکٹر صاحب کی تصنیفی زندگی اور ان کی شبلی شناسی کی بہتر تفہیم کا ذریعہ بنیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ علمی وتحقیقی حلقوں میں اس کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

تبصروں کی ترتیب کتاب کے سنینِ طباعت کے اعتبار سے رکھی گئی ہے، ان کے متن میں کسی طرح کی ترمیم وتنسیخ کو روا نہیں رکھا گیا ہے، چاہے صاحبِ کتاب کے متعلق تنقیص کا پہلو ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔ اخیر میں اشخاص، مقامات اور کتابوں کا اشاریہ بھی لگادیا گیا ہے، تاکہ کتاب سے استفادہ آسان تر ہوجائے۔

اخیر میں مولانا محمد اشہد اعظمی کے بے لوث تعاون کا بے حد شکریہ کہ ان کی معاونت کی وجہ سے بڑی آسانی ہوگئی۔ فجزاہ اللہ خیرا کثیرا

محمد عرفات اعجاز اعظمی

۲۸-مئی ۲۰۲۳ء

[۱]

علم و آگہی سے بھرے ہوئے

محبت نامے

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی سے میں کبھی نہیں ملا، مگر وہ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کتابوں کے کسی بھی شوقین کے لیے وہ اجنبی نہیں ہیں۔ کتابوں سے انھیں محبت ہے اور یہ کتاب جو انھیں ادیبوں، اکابرین اور ملک و بیرون ملک کی اہم ترین شخصیات کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کا ایک مجموعہ ہے، کتابوں سے ان کی محبت کا بین ثبوت ہے۔ مجموعہ ''محبت نامے'' ۷۰-شخصیات کے خطوط پر مشتمل ہے۔ انھیں پڑھ کر جہاں علم و آگہی میں اضافہ ہوتا ہے، وہیں جہانِ معانی کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔ اور ایک افسوس بھی ہوتا ہے کہ آج کے کمپیوٹر دور میں بھلے ہی فوری پیغامات کی ایک جانب سے دوسری جانب رسائی پلک جھپکتے ہو جاتی ہو اور بھلے ہی انٹرنیٹ کے ذریعے کوئی اپنی بات دوسری جانب ہوا کی سی تیزی سے پہنچا دیتا ہو، پر خطوں والی بات کہاں! کسی کاغذ پر سیاہی سے لکھی ہوئی تحریر جب انتظار کرنے والے کے ہاتھ لگتی تھی تو وہ اس کاغذ کو کیسے دل سے لگا کر رکھتا اور کیسے لوگوں کو دکھاتا اور کبھی کبھی دکھاتے ہوئے چھپاتا پھرتا تھا۔ بقول غالب:

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے خطوں کا یہ مجموعہ کیوں مرتب کیا؟ یہ سوال اہم ہے۔ دیباچہ میں وہ وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''خطوط کی اپنی اہمیت اور افادیت ہوتی ہے اور کسی خط کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً میرے احباب کے پیش نظر یہی نکتہ تھا، ورنہ وہ مجھ سے میرے نام کے ان خطوط کی اشاعت پر اصرار نہ کرتے اور میں ان کی محبت میں گرفتار نہ ہوتا۔''

لیکن میرے اپنے خیال میں ان خطوں کو ترتیب دینے کی وجہ یہ ہے کہ مکتوب الیہ اپنے قارئین کو مطالعہ وتحقیق اور تصنیف و تالیف جو ان کا خاص موضوع رہا ہے، بالخصوص سلسلۂ شبلیات کی تصنیف میں جن دقتوں اور دشواریوں کا سامنا رہا ہے، اور جس طرح (ان کے) دوستوں اور بزرگوں نے (ان کا) تعاون کر کے کام کو آگے بڑھایا، اس کی جھلک دکھا کر اس کام میں شامل کرنا چاہتے تھے۔

ایک وجہ اور بھی ہے۔ ان خطوں کے ذریعے ان کی یادوں کو تازہ رکھنا جو اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں:

''ہندو پاک کے ممتاز اہل قلم اور بزرگ مصنّفین سے میری خط وکتابت رہی، ان میں سے کئی ایک اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اب ان کے خطوط ہی ان کی یادوں کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری، پروفیسر اکبر رحمانی، سید عبدالباری شبنم سبحانی، پروفیسر کبیر احمد جائسی، سید حامد، پروفیسر ملک زادہ منظور اور ڈاکٹر خلیق انجم وغیرہ (اب ڈاکٹر ہاشم قدوائی بھی نہیں رہے) اپنے مالک حقیقی کو جا پہنچے ہیں، تاہم ان کے خطوط نہ صرف ان کی یادیں تازہ کرتے رہیں گے، بلکہ ان کی سوانح مرتب کرنے میں مدومعاون ہوں گے۔ اللہ تعالی ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔''

مجموعی طور پر مجموعہ میں ۳۲۰- خطوط شامل ہیں جو ۱۹۸۶ء سے ۲۰۱۵ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ مکتوب نگاروں میں بزرگوں کے ساتھ معاصرین اور خرد بھی شامل ہیں۔ گویا یہ تین نسلوں سے ربط و تعلق کی داستان ہے۔ مکتوب الیہ نے معروف ادیب و نقاد شمس الرحمان فاروقی کے خطوں کو اس مجموعے کا ''گہنا'' قرار دیا ہے۔ فاروقی صاحب کے چار خط شامل ہیں، ان چاروں خطوں میں مکتوب الیہ کی جو ماہر شبلی ہیں، چار کتابوں: دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات، عظمت کے نشاں، مکتوباتِ شبلی اور آثارِ شبلی پر بات کی ہے۔ فاروقی صاحب نے جہاں کتابت کی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی ہے، وہیں پر ایسی باتیں بھی کی ہیں جن سے اردو کے طالب علموں کو واقف ہونا ہی چاہیے۔ مثلاً وہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

> ''لطف یہ کہ ص ۸۳- پر ''انشاء پرداز'' لکھا ہے، حالانکہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں۔ الف کے آگے ہمزہ لگانے کے شوق نے لفظ کی شکل بگاڑ دی۔ اسی طرح جگہ جگہ ''معرکہ آراء'' لکھا ہے۔ (مثلاً ص ۴۸)''

فاروقی صاحب کے چاروں خط پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مکتوب الیہ کی چاروں کتابوں کو باریک بینی سے پڑھ کر ہی ان کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کیا ہے۔ آج لوگ کتابوں کو سرسری دیکھ کر ان پر باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

مولانا اسیر ادروی کے ۱۴- خط شامل ہیں، ان میں مکتوب الیہ کے چند مضامین کے لکھنے اور ان کی پسندیدگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک خط میں بڑے افسوس کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے کہ

> ''آپ نے علامہ شبلی کی کتابوں کی اہمیت و افادیت نئی نسل کو بتانے کے لیے قابل قدر کام شروع کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ علامہ شبلی کو ہندستانی علما کے یہاں وہ مقام و مرتبہ نہیں مل سکا، جس کے وہ مستحق تھے، حالاں کہ وہ دورِ جدید

کے علما اور اسلامی دانش وروں کے معلمِ اول تھے۔ آپ کا مضمون بہتر اور قابل قدر ہے۔''

مجموعہ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا ایک خط اور ڈاکٹر خلیق انجم کے ۱۳-خطوط شامل ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے مکتوب الیہ کی یہ کہہ کر ہمت افزائی کی ہے کہ

''یہ اچھی بات ہے آپ شبلی نعمانی کے تعلق سے کتابیات مرتب کر رہے ہیں، ہمارے ہاں کوئی کتابیات ابھی مرتب نہیں ہوئی ۔ جب آپ اسے ہر اعتبار سے مکمل کرلیں تو اس کی ایک عکسی نقل مجھے بھی بھجوا دیجیے گا۔''

ڈاکٹر خلیق انجم کے خط میں مکتوب الیہ کی کتاب ''شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات و خدمات'' کے مسودے ملنے اور اس کے چھپنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ایک خط میں مکتوب الیہ کے گیان چندجین پر تحریر مقالے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

''آپ کے اس مقالے نے مجھے گیان چندجین سے متعارف کرایا، ورنہ میں اپنی اس کوتائی کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ان سے واقف نہیں تھا۔اچھے شاعر ہیں اور سیدھے سادے انداز میں شعر کہتے ہیں۔''

مجموعے میں ڈاکٹر آدم شیخ ، ڈاکٹر آذر میدخت صفوی،مولانا سید جلال الدین عمری، پروفیسر خورشید نعمانی (ان کے ۲۸- خط ہیں جو انتہائی محبت سے تحریر کیے گئے ہیں) مولانا سید رابع حسنی ندوی، پروفیسر عبدالستار دلوی، محبوب الرحمان فاروقی ، پروفیسر محسن عثمانی اور دیگر اکابرین ....اور ادبا وشعرا کے خطوط شامل ہیں۔تمام خط زبان و بیان ، ادب و تحقیق اور فن وفکر پر باتوں اور علم آگہی سے بھرے ہوئے ہیں۔

اللہ اس مجموعے کو مقبول عام بنائے۔ڈاکٹر صاحب ان دنوں علیل ہیں،اللہ انھیں شفائے کاملہ عطا فرمائے اور وہ علمی وادبی دنیا کو اپنی فکر اور کاوش سے روشن کیے رہیں۔(آمین)

[۲]

مراسلاتِ شبلی

وہ افراد جو صحافت کے پیشے سے جڑے ہوئے ہیں، خوب جانتے ہیں کہ کسی معاملے میں رائے عامہ بنانے یا عوامی بے داری لانے میں مراسلات کا کردار بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ علامہ شبلی نعمانی کی خدمات کا دائرہ مذہب، تاریخ اور ادب، ان تمام اصناف پر محیط ہے، لیکن یہ کم ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ شبلی نعمانی نے بڑی تعداد میں مراسلے بھی تحریر کیے ہیں اور ان مراسلات سے عوام کو بے دار کرنے یا کسی معاملے میں رائے عامہ ہموار کرنے کا ایک دانش ور کی حیثیت سے اپنا فریضہ ادا کیا ہے۔

شبلی شناس ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتاب مراسلاتِ شبلی علامہ کے ایسے ہی مراسلات کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ سے شائع ہونے والی اس کتاب کے مقدمہ میں اشتیاق احمد ظلّی تحریر کرتے ہیں:

> ''قومی اور ملی مسائل پر مراسلہ نگاری علامہ شبلی کی اولیات میں شامل ہے۔ یہ روایت انھوں نے شروع کی اور انھی کے ساتھ یہ ختم بھی ہوگئی۔ اہم ملی مسائل کے سلسلہ میں رائے عامہ بنانے اور عوامی بے داری پیدا کرنے کے مقصد سے، نیز کسی خاص معاملہ میں وسیع تر حلقوں سے تعاون حاصل کرنے کے لیے علامہ شبلی نے اخبارات میں مراسلے لکھنے کی طرح ڈالی۔ یہ مراسلات نہایت اہم امور و مسائل سے متعلق ہیں اور ان کی ملی درمندی کے مظہر ہیں،

جو ان کی شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت تھی۔‘‘

کتاب کے مقدمہ میں علامہ شبلی کے مراسلات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے الندوہ کے اپریل ۱۹۱۰ء میں شائع ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، جس میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

’’انھوں (علامہ شبلی نعمانی) نے ایک ایسی عظیم الشان خدمت اپنے ذمہ لے لی ہے جس کی نسبت مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ صرف ان ہی کے دم سے قائم ہے۔‘‘

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کتاب کے دیباچہ میں شبلی نعمانی کی مراسلہ نگاری کے اوصاف گنوائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

’’ان مراسلات سے جو بات سب سے واضح طور پر سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ علامہ شبلی ہمہ وقت ملت کے لیے فکرمند رہتے تھے اور اس کو زوال کے بھنور سے نکالنے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے۔......‘‘

اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں چند نودریافت مراسلات شامل ہیں۔ مراسلات کی تعداد ۲۶ ہے۔ ان میں دو عربی مراسلے بھی ہیں جن کے اردو ترجمے دے دیے گئے ہیں۔ یہ مراسلات جہاں علمی و تحقیقی موضوعات پر ہیں جیسے کہ الف لیلہ و لیلۃ، عبداللہ ابن مقفع کا قبول اسلام، المامون وغیرہ، وہیں چند مراسلے خالص ملی مسائل پر ہیں، جیسے کہ نومسلموں کو دوبارہ ہندو ہو جانے سے بچانے کے لیے تمام برادران اسلام کی خدمت میں فریاد۔ اس مراسلے کی آج کے حالات میں بھی افادیت ہے۔ یہ مسلم گزٹ میں مارچ ۱۱- مارچ ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی اس میں لکھتے ہیں:

اے برادرانِ اسلام! کبھی کبھی آپ کے کانوں میں بھنک پڑتی ہے کہ فلاں

گاؤں میں مخالفوں نے نومسلموں کو آریہ بنالیا، آپ اس کو اتفاق اور شاذ واقعہ سمجھتے ہیں، لیکن واقعی حالت یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس قسم کی کوشش کا ایک مسلسل باضابطہ اور عالم گیر سلسلہ جاری ہے، جس کے نتائج اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔''

علامہ شبلی نعمانی نے اس مراسلے میں تفصیل کے ساتھ ان کی بات کی ہے جو آج بھی مسلمانوں میں گھر واپسی کے لیے گھوم رہے ہیں اور مسلمانوں سے یہ فریاد کی ہے کہ وہ کیسے نومسلموں کو دوبارہ ہندو ہوجانے سے بچائیں۔

مراسلات میں تعلیمی مراسلے بھی ہیں اور تعلیمی اداروں سے متعلق مراسلے بھی۔ ڈاکٹر موصوف نے جہاں مراسلے جمع کیے، وہیں حواشی و تعلیقات کا اہتمام بھی کیا ہے، جس سے ان مراسلات کی اہمیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ مراسلے بلاشبہ حیات شبلی کے چند نئے اور جدید گوشوں کو پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی یہ بات بالکل درست ہے کہ 'اس سے مکمل شبلی کی بازیافت میں یقینی طور پر مدد ملے گی اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا بنیادی مقصد بھی ہے۔'

اللہ ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش کو بھی مقبول عام کرے۔ آمین

[۳]

نوادراتِ شبلی

علامہ شبلی کا نودریافت ادبی خزانہ

اگر غالب اور سرسید احمد خان کو مولانا حالی ملے تھے تو علامہ شبلی نعمانی کو ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ملے ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ مولانا حالی، غالب کے شاگرد اور سرسید احمد خان کے دستِ راست تھے، جب کہ ڈاکٹر صاحب کا علامہ سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالی نے بلاشبہ یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید لکھ کر مذکورہ دونوں ہی عظیم شخصیات کی حیات وخدمات کو کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ ان پر کام کرنے والوں کے لیے آگے کی راہیں روشن ہوتی چلی جاتی ہیں اور ان کی عظمت کا احساس دل میں جاگزیں ہوتا ہے، مگر ایک سچائی یہ بھی ہے کہ حالی نے یہ کتابیں لکھ کر شاگردی اور دوستی کا حق بھی ادا کیا ہے۔ رہے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی تو علامہ شبلی نعمانی کی شاگردی تو دور کی بات انھوں نے نہ علامہ کو دیکھا اور نہ ہی ان کے دور کو، مگر ایک سچے اور اچھے شاگرد ہی کی طرح ان کی حیات و خدمات پر ایک نہیں، درجن بھر کتابیں لکھ دی ہیں۔ یہ کتابیں علامہ کی زندگی اور ان کی ادبی و مذہبی خدمات کے ان گوشوں کو منور کرتی ہیں جو تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کی درجن بھر کتابیں غالبیات اور اقبالیات کی طرح اردو ادب میں شبلیات کی اصطلاح کے استعمال کا سبب بن گئی ہیں اور برصغیر ہند و پاک ہی نہیں، دنیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ماہر شبلیات کے طور پر مانے جانے لگے ہیں۔

شبلیات کے سلسلہ کی ڈاکٹر صاحب کی نئی کتاب 'نوادراتِ شبلی' ہے۔ جیسا کہ نام سے ہی واضح ہے یہ کتاب علامہ کی نو دریافت تحریروں کا مجموعہ ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحب: 'یہ تحریریں علامہ کے کسی بھی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔' دیباچہ میں ڈاکٹر صاحب نوادراتِ شبلی کو مرتب کرنے کی وجہ اپنے اس احساس کو بتاتے ہیں جو انھیں بار بار ہوا کہ 'باقیاتِ شبلی کی اشاعت (۱۹۶۴ء) کے بعد علامہ شبلی کی جو تحریریں (مکتوبات، شذرات، مراسلات، نوادرات) دریافت ہوئیں، وہ شبلی صدی کے مقالہ نگاروں کے پیش نظر نہیں رہیں، ان کا اگر مطالعہ کیا گیا ہوتا تو شبلی کی سوانح اور ان کی فکر ونظر کے بعض پہلو روشن سے روشن تر ہو جاتے اور بعض انتہائی اہم پہلو سامنے آتے اور علامہ شبلی کے حوالے سے ہرزہ سرائیوں کا سد باب بھی ہو جاتا۔ اس خیال نے اِن نوادراتِ شبلی کی ترتیب و تدوین کا دل میں داعیہ پیدا کیا۔ چنانچہ اس ہیچ مداں نے خرابیِ صحت کے باوجود علامہ شبلی کی نادر تحریروں کی جمع و تدوین کے محنت اور دقت طلب کام کا آغاز کیا اور تلاش وجستجو کے بعد شبلی کے قلم کے جو موتی ہاتھ آسکے وہ قدردانانِ شبلی کے حضور حاضر ہیں۔' اور یہ موتی واقعی بے حد قیمتی ہیں۔

کتاب کو سات ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ باب اول 'مضامین' کے عنوان کے تحت ہے۔ اس باب میں علامہ کے چار نو دریافت مضامین شامل ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے آٹھ جلدوں میں علامہ کے جو مقالات شائع کیے تھے، ان میں ۱۲۷-مضامین تھے، بعد میں باقیاتِ شبلی میں مزید چھ مضامین شامل کیے گئے تھے، اس طرح مضامین کی مجموعی تعداد ۱۳۳-تک جا پہنچی تھی اور اب ڈاکٹر صاحب کے ذریعے دریافت کیے گئے چار مضامین کے بعد مضامین کی مجموعی تعداد ۱۳۷-ہوگئی ہے۔

چاروں ہی مضامین معرکے کے بھی ہیں اور مختلف موضوعات پر بھی۔ ایک مضمون فارسی شاعر غضاری رازی پر اسی عنوان سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو

بمبئی سے ۱۹۰۶ء میں سید کاظم حسین ہدف لکھنوی کی ادارت میں شائع ہونے والے ایک ادبی علمی ماہنامہ 'غنچۂ جاوید' میں تلاش کیا ہے۔ یہ مضمون شعرالعجم میں شامل نہیں ہے۔ جب علامہ بمبئی آئے تھے تب مذکورہ ماہنامہ کے مدیر نے مضمون کے لیے درخواست کی تھی جو قبول کی گئی۔ مدیر محترم کا یہ جملہ ملاحظہ کریں:

''آپ (علامہ شبلی) نے بہت ہی خندہ جبینی سے اس عاجز کی درخواست کو منظور فرما کر ایک مضمون عنایت فرمایا۔ ہم سچے دل سے مولانا کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔''

دوسرا مضمون 'کتب خانہ اسکندریہ' ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس مضمون کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کتب خانہ اسکندریہ علامہ شبلی کا انتہائی اہم مقالہ ہے جو متعدد مجموعہ مقالات میں شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اس سے پہلے بطور تمہید شائع ہوا ہے اور کسی مجموعہ مقالات میں نہیں ہے۔ اس مضمون میں علامہ یورپ کے مورخین کی اس شرانگیزی کو کہ حضرت عمر کے دور میں مسلمانوں نے اسکندریہ پر حملہ کیا اور وہاں کا علمی کتب خانہ جلا کر برباد کر دیا، دلیلوں کے ذریعے غلط ثابت کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تیسرا مضمون 'موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن' کے عنوان سے ہے۔ مضمون مختصر مگر جامع ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے رسالہ 'عبرت' نجیب آباد کے جنوری ۱۹۱۶ء اور اورینٹل کالج میگزین لاہور جلد ۵۶-شمارہ-۱ مسلسل ۲۲۴- میں تلاش کیا ہے۔ چوتھا مضمون Education کے عنوان سے ہے جو انگریزی میں ہے۔

دوسرا باب 'خطبات' کے تحت ہے۔ نوادرات شبلی میں علامہ کے سات نو دریافت خطبات شامل ہیں۔ ایک خطبہ ختم نبوت پر ہے، ایک خطبہ میں یوروپین سائنس ولٹریچر پر بات کی گئی ہے۔

باب سوم 'دیباچہ وتقریظ' کے تحت ہے۔ کل سولہ دیباچے اور تقریظات ہیں۔ یہ

پہلی بار یک جا کسی کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ایک فارسی دیباچہ بھی شامل ہے جو انھوں نے سرسید احمد خان کے سفرنامہ پنجاب پر سرسید کی زندگی میں لکھا تھا۔ایک منظوم دیباچہ بھی ہے۔یہ اہم دیباچے ہیں، کیوں کہ یہ جہاں چند جملوں میں کتابوں کا جوہر پیش کر دیتے ہیں، وہیں اِن دیباچوں سے جہانِ شبلی اور عہد شبلی کی دیباچہ نگاری کے اوصاف سامنے آتے ہیں اور ان کے بعض افکار کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

باب چہارم 'مکتوبات' کے تحت ہے۔اس باب میں ۲۴-نو دریافت خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے ان پر توضیحی نوٹ بھی لکھے ہیں اور مکتوب الیہ کا بھی کسی قدر تذکرہ کر دیا ہے۔

باب پنجم 'مراسلات' کے تحت ہے۔اس میں ۲۶-نو دریافت مراسلات شامل ہیں۔ایک مراسلہ میں ندوہ کے تکلیف دہ حالات کا ذکر ہے۔

باب ششم 'منظومات' اور باب ہفتم 'متفرقات' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں علامہ کی علم وادب اور تاریخ وتنقید کے مختلف موضوعات پر متفرق اور منتشر تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، جو اس سے پہلے کسی مجموعہ میں شامل نہیں تھیں۔

یہ کتاب شبلیات کے سلسلہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔اللہ ڈاکٹر صاحب کو صحت مند رکھے کہ وہ علامہ کی حیات وخدمات کے پوشیدہ گوشوں کو منور کرتے رہیں۔ یہ کتاب ہر اس شخص کو تو پڑھنی ہی چاہیے جو علامہ کا عاشق ہے، مگر ان حضرات کو بھی یہ کتاب پڑھنی چاہیے جو تاریخ، علم وادب اور تنقید میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے مطالعے کا مطلب ان تمام موضوعات پر بہت سے علم کا حصول ہے۔

کتاب اچھے کاغذ پر صاف ستھری شائع ہوئی ہے۔

[۴]

شبلی خودنوشتوں میں

اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کو علامہ شبلی نعمانی سے محبت ہے تو غلط نہیں ہوگا......اور محبت تو پہاڑوں کا سینہ شق کروادیتی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے بھی علامہ شبلی کی زندگی اوران کی خدمات کے چھوئے اوراَن چھوئے گوشوں کو کچھ پہاڑوں کا سینہ شق کرنے ہی کی طرح وا کیا ہے۔ علامہ شبلی کی زندگی کے چھوئے ہوئے گوشوں کو پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے وہ نئے نکات اور پہلو نکالے ہیں کہ قاری یا قارئین کی معلومات میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور رہی بات اَن چھوئے گوشوں کی تو یہ تو ہیں ہی اَن چھوئے علامہ شبلی نعمانی کی حیات وخدمات کو نئے رنگ اور نئے انداز میں پیش کرنے والے...... مالک رام اور قاضی عبدالودود وغیرہ کو غالبیات میں جو مقام حاصل ہے یا جس طرح سے جگن ناتھ آزاد اور آل احمد سرور وغیرہ اقبالیات کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اسی طرح شبلیات کے ماہر ہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر شبلی شناس ہیں۔

حال ہی میں ڈاکٹر موصوف کی ایک نئی کتاب 'شبلی خودنوشتوں میں' منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کے نام ہی سے موضوع کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ موضوع اَچھوتا اوراَن چھوا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی سلسلہ مطالعات شبلی کی بارہویں کتاب ہے۔ اس سے قبل گیارہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں سے ایک کتاب نوادراتِ شبلی کا تعارف اس کالم میں

پیش کیا جا چکا ہے۔ 'شبلی خودنوشتوں میں' کو پیش کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اس سوال کا جواب کتاب کے دیباچہ میں دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تحریر کرتے ہیں:

خودنوشتوں کے مطالعہ سے مجھے خاص دل چسپی رہی ہے۔ علم وادب، تاریخ و سیاست اور تعلیم وتدریس سے وابستہ نہ جانے کتنے اشخاص کی خودنوشتیں زیرِ مطالعہ آئیں، ان کے مطالعہ کے دوران خودنوشتوں میں علامہ شبلی، ان کی تصنیفات اور ان کے متنوع کارناموں کا ذکر ملا، بلکہ ان کی زندگی کے بعض فراموش شدہ واقعات بھی سامنے آئے۔ چنانچہ خیال پیدا ہوا کہ ان کے تعارف وتجزیہ پر ایک مقالہ لکھا جائے اور دکھایا جائے کہ ان میں علامہ شبلی کے کون کون سے پہلو پوشیدہ ہیں، لیکن جب کام کا آغاز کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک مقالہ کا نہیں بلکہ مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ خوشی ہے کہ اب یہ مطالعہ و تجزیہ کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب اسے شبلی شناسی کی ایک نئی جہت قرار دیتے ہیں اور یہ ہے بھی نئی جہت۔ کتاب کے پیشِ لفظ میں معروف نقاد پروفیسر شمس الرحمان فاروقی تحریر کرتے ہیں:

''اب الیاس الاعظمی نے ایک بالکل نیا موضوع دریافت کیا ہے: شبلی کا ذکر خودنوشتوں میں ۔ یہ موضوع کچھ ایسا غیر متعین سا ہے کہ اس کا نہ کوئی نقطۂ آغاز ہے اور نہ نقطۂ انجام۔ پھر بھی الیاس الاعظمی نے کم وبیش چوبیس خودنوشتیں تلاش کی ہیں جن میں شبلی کا ذکر کسی اہم انداز میں کیا گیا ہے۔''

فاروقی صاحب کا یہ ماننا ہے کہ اتنے بہت سے اہم لوگوں نے شبلی کا ذکر اپنی خودنوشت میں کیا، یہ امر بجائے خود شبلی کی عظمت واہمیت کو ثابت کرتا ہے۔ ساتھ ہی وہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے اس کام کی تعریف اِن لفظوں میں کرتے ہیں:

''محمد الیاس الاعظمی نے حسبِ معمول دقت نظر سے کام لیا ہے اور شبلی شناسی

کا حق ادا کر دیا ہے۔شبلی کو الیاس الاعظمی جیسا جاں نثار زیب بھی دیتا ہے۔''

فاروقی صاحب جیسے بلند پایہ نقاد کے یہ جملے اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایسی خودنوشتیں تلاش کی ہیں جن میں شبلی نعمانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ان خودنوشتوں میں نواب سلطان بیگم کی خودنوشت اختر اقبال (مطبع مفید عام آگرہ) سے لے کر مولانا اعجاز احمد اعظمی کی حکایت ہستی (مکتبہ ضیاء الکتب اعظم گڈھ) تک یعنی قدیم اور جدید، دونوں ہی طرح کی خودنوشتیں شامل ہیں۔بعض میں شبلی نعمانی کا مفصل ذکر ہے، کہیں مختصر تذکرہ کیا گیا ہے اور کہیں ایسے واقعات سامنے لائے گئے ہیں جو علامہ شبلی کی حیات کو نئے انداز میں پیش کرتے ہیں۔

خودنوشتوں میں بھی کئی مفصل ہیں، کئی مختصر۔بیشتر مکمل اور چند نامکمل۔مولانا عبدالباری ندوی کی 'سرگزشت' اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی تحریر 'غبار کارواں' مختصر مضامین ہیں، لیکن یہ بقول الیاس الاعظمی خودنوشت ہی کے زمرہ میں آتے ہیں۔

خودنوشتوں میں علامہ شبلی نعمانی کے تذکروں سے جہاں ان کی علمی خدمات کا پتہ چلتا ہے، وہیں شاگردوں اور دوستوں سے ان کے رشتوں اور طرز تعلقات کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔جن کی خودنوشت سے علامہ شبلی کے تذکرے لیے گئے ہیں وہ سب ہی اپنے دور کی بڑی اہم شخصیات تھیں، نابغہ روزگار مثلاً رشید احمد صدیقی، مرزا احسان احمد، مولانا علی میاں، پروفیسر ریاض الرحمان شروانی، خواجہ حسن نظامی، نواب سید محمد علی حسن خان، میر ولایت حسین، شیخ عبداللہ پاپا میاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، ملا واحدی، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ۔

کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل ہے، اس میں مولانا محمد عمران خان ندوی کی مرتبہ کتاب 'مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں' میں شامل اہل قلم کے مضامین سے شبلی اوران

کی تصانیف کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ الیاس الاعظمی لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی حیثیت بھی خودنوشت ہی کی ہے۔''

کتاب کا انتساب علم دوست خواجہ زاہد ندیم کے نام ہے۔ آخر میں کتابیات کے تحت ان کتابوں اور رسالوں کی فہرست دی گئی ہے جن سے ڈاکٹر صاحب نے استفادہ کیا ہے۔ شبلی شناسی میں یہ کتاب اہم مانی جائے گی، اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جانا چاہیے۔

[۵]

قد اور سائے

گراں قدر ادبی مضامین

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ایک بلند پایہ تذکرہ نگار، محقق، تبصرہ نگار اور تقریباً ہر علمی و ادبی اصناف کے غواص ہیں، بھلے ہی ان کی شناخت بطور ماہر شبلیات کیوں نہ ہو۔ یہ سچ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی حیات اور ان کے فن کے بے شمار گوشے ڈاکٹر صاحب نے منور کیے ہیں۔ ان کی درجن بھر سے زائد کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔ لیکن انھوں نے علامہ سے ہٹ کر بھی علمی اور ادبی کام کیے ہیں۔ ان کا تازہ ترین مجموعہ مضامین ''قد اور سائے'' ایسی ہی ایک کتاب ہے۔ یہ ان کے مضامین کا پانچواں مجموعہ ہے۔ ویسے ڈاکٹر صاحب کو علامہ شبلی نعمانی سے مفر نہیں ہے کہ اس مجموعہ میں بھی علامہ سے متعلق دو کتابوں پر ان کے دیباچے یا تبصرے شامل ہیں۔

قد اور سائے کیوں شائع کی گئی؟ اس سوال کے جواب میں وہ دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

> ''یہ میری مختلف النوع تحریروں کا پانچواں مجموعہ ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس مجموعہ کے پہلے حصہ میں علمی و ادبی شخصیات پر مضامین و مقالات شامل ہیں، جب کہ دوسرے حصہ میں ان تقدیم و تقریظ اور دیباچوں کو یک جا کیا گیا ہے جو ملک و بیرون ملک کے ممتاز اہل علم و دانش ور اور ادبا و شعرا کی کتابوں پر وقتاً فوقتاً لکھے گئے تھے۔ ان کی جمع و تدوین و اشاعت کا بنیادی مقصد اپنی

منتشر تحریروں کو یک جا کرنا اور اپنے قارئین کو چند اہم شخصیات اور چند اچھی کتابوں سے متعارف کرانا ہے۔''

اور ڈاکٹر صاحب اس میں کامیاب ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا دیباچہ ان کے مضامین ہی کی طرح وقیع ہے۔ انھوں نے دیباچے میں کتاب کا بھرپور تعارف کروا دیا ہے اور کئی اہم معلومات بھی دے دی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ڈپٹی نذیر احمد اعظم گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور سرسید احمد خان کو وہاں مدعو کر کے تعلیمی بے داری کا انھوں نے آغاز کروایا تھا۔

مجموعہ کے حصہ اول 'مضامین' کا آغاز بانیِ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی پر ایک انتہائی وقیع مضمون 'سرسید احمد خان کا مسلمانانِ اعظم گڑھ سے خطاب' سے ہوتا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت اس میں شامل سرسید کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے تعلیمی بے داری کی تحریک کے موقع پر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے خطبہ تلاش کر کے شائع کیا، اس خطبہ سے سرسید احمد خان کے تعلیمی نظریات بھی سامنے آتے ہیں اور ان شکوک وشبہات کا جو معترضین اور مخالفین کرتے رہے ہیں، بڑی حد تک ازالہ ہو جاتا ہے۔ حصہ مضامین میں مجموعی طور پر ۱۶۔ مضامین شامل ہیں۔ مولانا مجیب اللہ ندوی پر جو کہ مصنف کے اساتذہ میں سے ایک تھے، دو مضامین ہیں، مولانا شاہ عبدالحلیم جون پوری پر ایک انتہائی اہم مضمون ہے۔ دیگر شخصیات میں مرزا احسان احمد، حکیم محمد ایوب، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، نیاز واحدی، پروفیسر کبیر احمد جائسی، ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی، ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، مولانا عبدالمجید اصلاحی، پروفیسر محمد ہاشم قدوائی، ڈاکٹر جمیل جالبی اور پروفیسر خورشید نعمانی شامل ہیں۔ یہ تمام ہی مضامین انتہائی وقیع ہیں اور ہر شخصیت کی زندگی اور فن اور صفات کو بھرپور انداز میں اجاگر کرتے ہیں۔

حصہ دوم 'تقدیم، تقریظ، دیباچے' کے عنوان سے ہے۔ اس حصے میں ۱۸۔

مضامین شامل ہیں۔ یہ حصہ جہاں بہت سی اہم کتابوں سے متعارف کراتا ہے، وہیں اس کو پڑھ کر دیباچہ نگاری کیا ہے اور کیسے دیباچہ لکھا جاتا ہے، ان سوالوں کے جوابات بھی مل جاتے ہیں۔ یہ دیباچے، مقدمے، تقریظ اور تبصرے تعارفی بھی ہیں اور تجزیاتی بھی اور معلوماتی بھی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب اردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اللہ کرے ڈاکٹر صاحب اسی طرح لکھتے رہیں اور ہم سب انہیں پڑھتے رہیں۔ آمین

---

[۶]

علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں

حزنیہ شہ پارے

علامہ شبلی نعمانی نے جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی اسے مجروح سلطان پوری کے اس مصرعے

جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

کے مصداق یادگار بنادیا، اسی لیے آج بھی علامہ شبلی کی تحریریں زندہ ہیں، نہ صرف زندہ بلکہ اس دور میں بھی جب کہ اردو زبان وادب کا برا حال ہے، شوق وذوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ حال ہی میں علامہ شبلی نعمانی کی تعزیتی تحریروں پر مشتمل ایک کتاب آئی ہے جسے پڑھ کر یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ ایک عظیم قلم کار کی یہ حزنیہ تحریریں بلاشک وشبہ نثر پارہ کا شہ کار ہیں۔ ان تعزیتی تحریروں کو جمع کرنے کا کام کسی اور نے نہیں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کیا ہے، جن کی شناخت ماہر شبلیات کے طور پر مسلم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی حیات وخدمات پر تحقیق کے لیے اپنی زندگی گویا وقف کر رکھی ہے اور اب تک ان کی کئی ایسی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو حیات شبلی کے ان گوشوں کو منور کرتی ہیں جن پر پہلے لوگوں کی نظر نہیں گئی تھی۔ یہ تازہ کتاب علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں بھی ایسی ہی ایک کتاب ہے۔

کتاب دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ سے شائع کی گئی ہے۔ مذکورہ ادارہ

کے ڈائریکٹر اشتیاق احمد ظلی نے پیش لفظ میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا بجا طور پر شکریہ ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ان بکھرے ہوئے شہ پاروں کو بڑے تفحص اور محنت سے جمع کیا اور ان پر مفید حواشی کا اضافہ کیا اور اس طرح ان بکھری ہوئی تحریروں سے استفادہ کی راہ روشن ہوئی۔''

ڈاکٹر صاحب کا دیباچہ علامہ شبلی نعمانی کی تعزیتی تحریروں کے حوالے سے انتہائی عالمانہ ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

''علامہ شبلی کی ان تحریروں کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا انداز نگارش ہے۔ وہ حزنیہ اور غم ناک الفاظ سے درد واثر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ تحریر کی پوری فضا غم ناک ہوجاتی ہے۔ بعض تحریریں تو حزنیہ نثر کا شہ پارہ ہیں۔ خاص طور پر جب وہ کسی کی والدہ کی وفات پر تعزیت کرتے ہیں تو ان کے سامنے خود ان کی والدہ (قائمہ بی بی) کا سراپا آجاتا ہے اور ان کا قلم شدتِ غم سے بے قابو ہونے لگتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کے مطابق علامہ شبلی کی حزنیہ نثر کا یہ جو پہلو ہے وہ یقیناً ان کے قدر دانوں کے لیے دل چسپی کی چیز ہے، اسی لیے ان کی تحریروں کو انھوں نے جمع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے صرف تحریریں جمع ہی نہیں کیں، ان کی افادیت کے پیش نظر تعلیقات اور حواشی کا اہتمام کیا۔ حواشی جو ہیں ان میں علامہ شبلی کے تعلق سے بعض نئی معلومات بھی آ گئی ہے۔ کتاب میں اشخاص اور کتب اور مقامات کا اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے اور کتابیات بھی۔ کتاب میں علامہ شبلی نعمانی پر ایک نظر کے عنوان سے ایک مضمون بھی شامل ہے جو ان کی حیات و خدمات کو کوزہ میں دریا کے مصداق پیش کرتا ہے۔ جو حزنیہ

تحریریں اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں ان میں ایک مرثیہ بھی شامل ہے جو علامہ شبلی کے بھائی مولوی محمد اسحاق وکیل ہائی کورٹ کی ناگہانی موت پر کہا گیا تھا۔ پروفیسر کلیم الدین احمد نے اس مرثیہ کو علامہ شبلی کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیا ہے۔ اور عبداللطیف اعظمی نے اسے مرزا غالب کے مرثیہ کے مقابلے برتر قرار دیا ہے۔ مرثیہ کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

آہ بھائی ترے مرنے کے تھے یہ بھی کوئی دن
وہ ترا اوجِ شباب اور وہ بچے کمسن
مسندِ حلقۂ احباب ہے سونی تجھ بن
تو ہی تھا اب خلف صدر نشینان مسن
دن جب آئے کہ تجھے رہبر جمہور کہوں
چرخ اب مجھ سے یہ کہتا ہے کہ مغفور کہوں

چند تعزیت ناموں کے اقتباسات ملاحظہ کریں:

''محسن الملک! جا اور خوش خوش خدا کے سایہ رحمت میں آرام کر۔ تو درد بھرا دل رکھتا تھا۔ لوگ بھی تیرے لیے روئیں گے اور بہت روئیں گے۔'' (نواب محسن الملک)

''قومی عمارت کے ستون ہل گئے۔ یعنی سر سید احمد خان بہادر اپنے پروردگار کے جوار رحمت میں گئے اور یہ سانحہ یک شنبہ ۲۷- مارچ کو پیش آیا اور ہماری قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ میں کچھ دنوں تک کوئی کام نہیں کر سکتا۔''

کتاب میں اپنے حادثۂ پا پر بھی ان کی تحریر شامل ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کی تحریروں کے قدر دانوں کے لیے یہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اس کتاب کے لیے دل کی گہرائیوں سے ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں۔

---

[۷]

نقوشِ شبلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ایک اور کارنامہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی نئی کتاب 'نقوشِ شبلی' دیکھ کر یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر ڈاکٹر صاحب پہلے ہی درجن بھر سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں، اس نئی کتاب کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ مزید یہ سوال بھی اٹھ سکتے ہیں کہ علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر کتابیں پڑھی ہی کیوں جائیں؟ اور یہ کہ بھلا آج کے ہندستان اور ہندستانی مسلمانوں کے مسائل سے بھی ان کتابوں کا کوئی لینا دینا ہے؟ اس نئی کتاب کے دیباچہ میں مذکورہ تینوں سوالوں کے جواب بڑی حد تک مل جاتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی تین ایسی اہم تعلیمی تحریکوں میں شامل رہے، جو مسلمانانِ ہند کو قدیم کے ساتھ جدید علوم سے جوڑنے کا سبب بنیں۔ ان میں سے ایک علی گڑھ تحریک تھی جس کے نتیجے میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ آج اس مسلم یونی ورسٹی نے قیام کے سو سال مکمل کر لیے ہیں اور یقیناً بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس یونی ورسٹی نے اور یہاں کے طلبہ اور فارغین نے ملک کی بھی اور ملک کے مسلمانوں کی بھی وقت پڑنے پر رہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔ سی، اے، اے جیسے سیاہ قانون کے خلاف یونی ورسٹی کے بچے اور بچیوں کی جدوجہد سامنے ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نعمانی کا خیال تھا کہ علی گڑھ کالج جس طرح طلبہ کو بی ، اے اور ایم ، اے بناتا ہے ، اسی طرح اساتذہ کو شمس العلما کرتا ہے ۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ علی گڑھ میں خطاب کرنا ہندستان کے سات کروڑ مسلمانوں سے خطاب کرنے کے برابر ہے ۔ یہی نہیں ان کے دور آخر میں علی گڑھ کالج کو یونی ورسٹی کا درجہ دلانے کی جو جدوجہد شروع ہوئی تھی ، اس میں بھی وہ شریک رہے ۔''

علامہ شبلی نعمانی صرف عالم ، مصنف ، ادیب ، نقاد اور سیرت نگار ہی نہیں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے علم بردار ، ایک مفکر و دانش ور بھی تھے ۔ ندوۃ العلما اور دارالمصنّفین کے قیام کی تحریک ان کے دو بڑے کارنامے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول :

''ندوہ سے وہ روشن خیال علما اور دارالمصنّفین سے ہوش منداہل قلم پیدا کرنا چاہتے تھے ، تاکہ اسلام کی صاف شفاف شبیہ پر بالقصد جو گرد جمائی جا رہی ہے یا تاریخ اسلام کی روشن جبیں کو جو داغ دار کیا جا رہا ہے ، اسے آئینہ کیا جا سکے ۔ آج یہ دونوں ہی ادارے علامہ شبلی نعمانی کے خوابوں کی تعبیر بنے ہوئے ہیں ۔''

علامہ نے اعظم گڑھ میں ایک نیشنل اسکول کی بنیاد بھی رکھی تھی ، اس کے لیے انھوں نے اپنی اور اپنے اعزہ کی زمینیں وقف کیں اور اچھے اساتذہ چنے ، عمارتیں بنوائیں ۔ یہ آج شبلی نیشنل کالج کی صورت میں مشرقی یوپی میں مسلمانوں کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے ۔ علامہ نے عثمانیہ یونی ورسٹی کا نصاب تیار کیا اور ریاست بھوپال کے مدارس کی ترتیب نو کی ۔

تو اوپر کے سوالوں میں سے ایک سوال کا جواب یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے مسلمانوں کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرانے کے لیے عملی اقدامات کیے ۔ آج کے مسلمانوں

کے جو مسائل ہیں، ان میں سے ایک، بلکہ سب سے بڑا مسئلہ تعلیم ہے۔ علامہ نے ایک راہ دکھائی ہے اور بتایا ہے کہ اگر جدوجہد کی جائے تو مسلم یونی ورسٹی، ندوۃ العلما، شبلی کالج اور دارالمصنّفین جیسے ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ علامہ کی تعلیمی اداروں کے قیام کی جدوجہد سے ہم سب واقف ہوں اور اس سے تحریک حاصل کریں۔ اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں کو روشن کرتی ہوئی کتابیں پڑھی جائیں۔ یہ کتاب اسی غرض سے شائع کی گئی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی خدمات کا دائرہ وسیع ہے جسے اس کتاب کے ایک مضمون 'علامہ شبلی کا علمی، ادبی اور فکری سرمایہ' سے سمجھا جا سکتا ہے۔ علامہ سوانح نگار تھے، الفاروق، المامون اور سیرۃ النبی یہ ایسی کتابیں ہیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ سیرۃ النبی سیرت پر ایسی کتاب ہے جس کی ہمیشہ سیرت نگاری کے میدان میں تقلید کی جائے گی۔ علامہ تاریخ نگار تھے اور وہ بھی اعلیٰ ترین، مثال کے لیے مذکورہ کتابوں کے علاوہ 'اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر' کتاب قاری دیکھ سکتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے تاریخ نگاری کے جدید ترین اصول وضع کیے اور ان پر عمل کیا۔ علامہ زبردست تنقید نگار تھے، شعرالعجم اور موازنۂ انیس و دبیر آج بھی تنقید کی شاہ کار کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ فارسی ادب، مکتوباتی ادب میں بھی علامہ کا کام زندہ رہنے والا ہے۔

علامہ کا ایک بڑا کارنامہ اشاعت اسلام تھا۔ آریہ سماج کے مبلغین کی ریشہ دوانیوں کے سبب بہت سے مسلمان مرتد ہو رہے تھے، علامہ نے اس کے سدباب کے لیے عملی کوششیں کیں، ندوہ میں سنسکرت کی تعلیم کا بندوبست کرکے آریوں سے مقابلے کے لیے طلبہ کو تیار کیا، صیغہ حفاظت و اشاعت اسلام کا قیام کیا، گاؤں میں واعظین کو بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، اردو زبان اور قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مکاتب کے قیام پر زور دیا، انگریزی خواں افراد کے لیے دینیات کا نصاب تیار کرایا، آریوں کے رد میں رسالے تیار

کرائے، غرض یہ کہ ہر ممکنہ عملی اقدامات کیے۔ آج پھر ایسے اقدامات کی ضرورت ہے، کیوں کہ لو جہاد اور دوسرے بہانوں سے مسلمانوں کے دین اور ایمان پر ڈاکے ڈالنے کی اب پوری تیاری ہے، بلکہ جگہ جگہ سے ارتداد کی خبریں آنے لگی ہیں۔

علامہ ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ انگریزی راج کے خلاف انھوں نے قلمی جہاد کیا تھا اور یہ رائے بنائی تھی کہ مسلمانوں کو سیاست سے دور نہیں رہنا چاہیے کہ اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ علامہ نے 'مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ' کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں سیاست کی صحیح اسکیم، مسلمانوں کی سیاسی خامیاں، ہندو مسلم اتحاد اور مسلم لیگ کی سیاست وغیرہ پر بات کی ہے۔ ضروری ہے کہ شبلی کے اس مضمون کی روشنی میں مسلمانانِ ہند اپنی نئی حکمت عملی تیار کریں۔ ڈاکٹر صاحب سے استدعا ہے کہ شبلی اور سیاسیات کے حوالے سے آج کے تناظر میں کچھ لکھیں، تا کہ کوئی راہ سوجھے۔

یہ کتاب دیباچہ، کتابیات اور اشاریہ کے علاوہ ۱۸- مقالات پر مشتمل ہے۔ ایک مقالہ علامہ کے بچپن اور تعلیم پر ہے جسے پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ علامہ کے والد شیخ حبیب اللہ مشہور و ممتاز وکیل اور زمین دار تھے۔ وہ ایک بزرگ الٰہی شاہ کے مرید تھے، دین دار تھے، رفاہ عام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، علامہ پر والد کے اثرات پڑے۔ والدہ قائمہ بی بی تہجد گذار خاتون تھیں، اٹھتیں تو علامہ کو بھی اٹھا دیتیں، لہٰذا انھیں سویرے اٹھنے کی ایسی عادت پڑی کہ کبھی نہ چھوٹی۔ تعلیم حاصل کرنے کا ایسا شوق کہ جب لاہور کے لیے نکلے تو جیب میں ۲۵- روپے تھے، تین روپیہ میں یکہ سے جون پور، وہاں سے سات روپے میں سہارن پور اور بذریعہ ٹرین پندرہ روپے میں لاہور پہنچے۔ پندرہ روپے خرچ ہو گئے، باقی بچے دس روپے، اس میں ایک روپیہ میں کرائے کا مکان لیا اور باقی کے جو روپے بچے اس میں دو مہینے گزارے، صرف تعلیم کے حصول کے لیے۔ یہ

مصیبتیں جھیلنے کے بعد ہی وہ علامہ بن سکے۔

کتاب میں گیارہ مضامین شخصیات، اداروں اور کلکتہ کے حوالے سے علامہ کے تعلق اور رشتوں پر ہیں، مثلاً ایک مضمون کا عنوان ہے 'علامہ شبلی اور غالب'، اس میں بتایا گیا ہے کہ غالب ہی کی طرح شبلی بھی فارسی زبان کے قادرالکلام شاعر تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کا تو یہ ماننا تھا کہ 'ہندستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ غالب پر نہیں، شبلی پر ہوا' اس مضمون میں کلامِ شبلی کے محاسن کے ساتھ، غالب اور شبلی کی تاریخ نگاری اور مکتوب نگاری کا تقابلی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ یہ ایک وقیع مضمون ہے۔

'علامہ شبلی، ڈپٹی نذیر احمد اور اعظم گڑھ' اس عنوان سے ایک مقالے سے پتا چلتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد جب اعظم گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر کے طور پر تعینات تھے، کوئی چار سال، تب علامہ زیر تعلیم تھے، لیکن دونوں کے درمیان اس دور میں تعلقات قائم ہوئے، اور ڈپٹی نذیر احمد علامہ کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جلسوں میں ان کی تعریف وتوصیف کرنے لگے۔ اسی دور میں پروفیسر آرنلڈ کی صدارت میں انجمن ترقی اردو کا قیام ہوا، ڈپٹی صاحب اس کے نائب صدر اور شبلی سکریٹری تھے۔ یہ انتہائی معلوماتی مضمون ہے۔

نواب محسن الملک سے علامہ کے تعلق پر ایک مضمون شامل ہے جو دل چسپ بھی ہے اور اس میں اس دور کی ادبی اور تہذیبی فضا بھی روشن نظر آتی ہے۔ ایک مضمون کا عنوان ہے 'علامہ اقبال شبلی کی انجمن میں'، یہاں 'انجمن' سے مراد 'انجمن ترقی اردو' ہے، شبلی نعمانی جس کے سکریٹری تھے۔ انجمن نے جو کتابیں ترجمہ کرائیں، ان کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کی جانچ کے لیے جن اربابِ کمال کا انتخاب کیا گیا تھا، ان میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔

ایک مضمون عطیہ فیضی پر نصر اللہ خان کے خاکے کے حوالے سے بعنوان 'علامہ شبلی اور عطیہ فیضی: چند حقائق' دل چسپ بھی ہے اور چشم کشا بھی۔ اس میں نصر اللہ خان اور

عطیہ فیضی کے کئی جھوٹ اجاگر کیے گئے ہیں اور علامہ شبلی پر اٹھنے والے کئی اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اس مضمون کے بارے میں دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں تاریخی حقائق کی روشنی میں غالباً پہلی بار دونوں کے تعلقات اور خیالات کا محققانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو داستان گھڑی گئی اور جسے بار بار دہرایا گیا اور جسے آج بھی بعض کم نظر دہراتے ہیں، وہ ایک فرضی داستان ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور اس میں بعض اہل قلم اور خود عطیہ فیضی کی کسی قدر ملمع سازی شامل تھی۔''

ایک مقالہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جون پوری اور علامہ شبلی کے تعلقات پر ہے۔ اس مقالے میں بتایا گیا ہے کہ شیخ الحدیث کس قدر علامہ سے محبت رکھتے تھے۔ شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ کی تاریخ پر ایک مضمون ہے جس میں علامہ کے منجھلے بھائی مولوی محمد اسحاق کی سالانہ اسکول رپورٹ کو شامل کیا گیا ہے اور قیام اسکول کے تعلق سے بعض غلط باتوں کو درست کر کے پیش کیا گیا ہے۔ بعد کے تینوں مقالے بہت اہم ہیں۔ ایک میں انجمن حمایت الاسلام لاہور سے علامہ کے تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرے میں علامہ کے سفرِ کلکتہ اور اس شہر میں بار بار جانے اور اسے پسند کرنے کا تذکرہ دل چسپ انداز میں کیا گیا ہے، تیسرا مضمون تصانیف شبلی کے دو دہلوی ناشرین سید ظہور الحسن موسوی اور سید قربان علی بسمل کے تذکرہ پر مبنی ہے۔ ایک مضمون جو بڑا اہم ہے، 'جہانِ شبلی' کے عنوان سے ہے، اس میں علامہ کی ان کتب، رسائل اور ان کی طباعتوں و اشاعتوں کی تفصیلات ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم کتاب 'کتابیات شبلی' کی اشاعت میں شامل نہیں تھیں۔ شبلی کے نو دریافت خطوط اور غیر مدون تحریروں پر دو اہم مقالے شامل ہیں۔

ماہرِ شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی یہ کتاب بلاشبہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر ان کی دیگر کتابوں کی طرح ایک اہم اضافہ ہے۔لیکن ایک سوال یہ ہے کہ اس کتاب کے ایک مضمون 'مطالعہ شبلی کے چند زاویے' میں انھوں نے مزید جو کام مطالعہ شبلی کے حوالے سے ممکن بتائے ہیں،جنھیں انھوں نے خود ۲۶-زمروں میں بانٹا ہے،کیا ان پر واقعی کوئی کام کرے گا؟ لگتا نہیں ہے۔ڈاکٹر صاحب جس خلوص اور انہماک سے علامہ پر کام کرتے ہیں،کوئی اور کرتا نظر نہیں آتا۔کام ہونے چاہئیں لیکن ...... گاڑی اس لیکن پر آکر ٹھہر جاتی ہے۔

خیر! ڈاکٹر صاحب اپنی اس کتاب کے لیے [جسے میں ایک کارنامہ سمجھتا ہوں] مبارک باد کے مستحق ہیں۔کتاب کا انتساب مرحوم ادیب، ماہر تعلیم ایم نسیم اعظمی کے نام ہے۔یہ ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔

---

[۸]

کلام شبلی کے اعلام و اشخاص

ایک اہم کتاب

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی ہر نئی کتاب مجھے اسی طرح حیرت میں ڈال دیتی ہے جیسے ان کی تازہ کتاب ''کلام شبلی کے اعلام و اشخاص'' کا مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر عطا خورشید حیرت میں پڑے یا پڑتے رہتے ہیں۔ اعظمی صاحب کی شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر قریب ۱۸-کتابیں شائع ہو چکی ہیں، سیکڑوں مضامین، مقالے اور خطبات الگ سے ہیں۔ لہٰذا ہم جیسے یہ سوچ کر حیران ہوتے ہیں کہ کیا شبلی پر لکھنے کے لیے مزید کچھ بچا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نہ جانے کس خزانے سے شبلی کی حیات و خدمات پر نئے نئے موضوع تلاش کر لاتے ہیں۔ پھر مواد، مصادر، مآخذ اور حوالوں کی چھان بین شروع کر دیتے ہیں اور ان کی محنت کے نتیجے میں ایک نئے موضوع پر کتاب چھپ کر ہمارے ہاتھوں میں پہنچ کر ہمیں حیران کر دیتی ہے۔

یہ تازہ کتاب' کلام شبلی کے اعلام و اشخاص' جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، ایک ایسے موضوع پر ہے جو اب تک اَن چھوا تھا۔ اَن چھوا ہونے کی شاید ایک ممکنہ وجہ یہ رہی ہو کہ کسی نے شاید یہ سوچا ہی نہ ہو کہ اعلام و اشخاص کو بھی موضوع بنایا جا سکتا ہے، اور دوسری ممکنہ وجہ شاید یہ ہو کہ یہ موضوع عرق ریزی چاہتا تھا، اس پر لکھنے کے لیے ڈھیر ساری کتابوں کو بڑی ہی باریک بینی سے کھنگالنے کی ضرورت تھی۔ بالفاظ دیگر یہ موضوع محنت

طلب تھا، ایک بڑا بوجھ، شاید اسی لیے لوگ اسے ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہ رہے ہوں گے۔ ایک تو کلام شبلی کو کھنگالنا آسان نہیں ہے کہ یہ اردو، فارسی اور عربی تین زبانوں میں ہے، جو ان تینوں زبانوں پر دست رس رکھتا اور شبلی کی شاعری کی تفہیم کر سکتا ہو، وہی یہ کام ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ کسی دوسرے کے لیے شبلی کی شاعری میں اعلام و اشخاص کو کھوجنے کا عمل ممکن نہیں تھا۔ سچ کہا جائے تو یہ ایک ایسا کام تھا جسے علامہ شبلی نعمانی سے گہری محبت رکھنے والا ہی پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ اور ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی سے بڑھ کر شبلی سے محبت کرنے والا آج کون ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر عطا خورشید (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) نے پیش گفتار میں سچ ہی لکھا ہے:

> ''علامہ شبلی اور الیاس اعظمی اب لازم و ملزوم ہو چکے ہیں۔ ایک دنیا اب اعظمی صاحب کو ماہر شبلیات تسلیم کر چکی ہے، ان کی شبلی شناسی کے موضوع پر یونی ورسٹی آف سرگودھا (پاکستان) میں ایک طالب علم کو ایم فل کی سند حاصل ہوئی ہے اور شبلی شناس کے طور پر ان کے کام کو علمی و تحقیقی اور تعلیمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔''

یہ کتاب ہے کیا؟ یا کتاب کا جو موضوع ہے وہ کیا ہے؟ کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر عطا خورشید نے آسان لفظوں میں سمجھا دیا ہے کہ اس کتاب میں ان شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر علامہ شبلی نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ علامہ شبلی کی شاعری کے حوالے سے یہ کتاب ایک مختصر سوانحی لغت کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسی کل ۱۲۲-شخصیات کا تفصیلی ذکر اعظمی صاحب نے اس کتاب میں کیا ہے، جن کے نام انھیں تلاش کرنے میں کلام شبلی میں ملے ہیں۔ کچھ نام رہ گئے ہیں جن کی طرف ڈاکٹر صاحب کی توجہ مقدمہ میں دلائی گئی ہے، جیسے کہ نکیرین اور عزازیل اور لیلیٰ مجنوں۔ ممکن ہے یہ اشعار اعظمی صاحب کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔ کتابیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اعظمی صاحب نے

۱۵۰- کتابوں سے مواد کھنگالا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت انھوں نے کیوں محسوس کی اور اس کی تیاری میں کیا دشواریاں پیش آئیں؟ اس پر 'حرف آغاز' میں انھوں نے تفصیل سے بات کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی کی شاعری کا ایک نہایت اہم پہلو ان کی شاعری کے وہ اعلام و اشخاص ہیں، جن کے ذکر سے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ عبارت ہے۔ خاص طور پر کلام شبلی کا تاریخی اور سیاسی پہلو انھی اعلام و اشخاص کی بدولت ان کی شاعرانہ فضا پر قائم ہوا۔ یہ ایک تعجب کی بات ہے کہ علامہ شبلی کی اردو و فارسی شاعری پر پچاسوں مضامین و مقالات قلم بند کیے جانے کے باوجود ان اعلام و اشخاص کے مطالعے کی سرے سے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ متعدد علمی، ادبی، تاریخی، سائنسی، مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات جن کا ذکر ان کی شاعری میں کہیں اصلاً اور کہیں ضمناً آ گیا ہے اور جن کی خود اپنی ادبی، تاریخی اور سیاسی حیثیت مسلم ہے، ان کے مطالعہ اور کلام شبلی کے پس منظر میں ان کے تعارف و تجزیے کی اہمیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔''

زیر نظر کتاب میں کلام شبلی کے اسی نظر انداز پہلو کی تکمیل کے لیے اردو و فارسی کلام میں وارد تمام اعلام و اشخاص کو مطالعے کا موضوع قرار دے کر ان کا تعارف و تجزیہ، تاریخی اور تہذیبی حیثیت، نیز کلام شبلی میں ان کے ذکر کے اسباب وغیرہ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کلام شبلی میں مذہب، سیاست، فکر و فلسفہ اور متنوع علوم وفنون کی باکمال شخصیات کا ذکر ملتا ہے، جن میں سب سے زیادہ روشن اور تابناک ہستی آقائے نام دار اور شہنشاہِ کونین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات گرامی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز اسی مقدس ہستی سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اشاریہ کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حب نبوی کے اصول پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سب سے اول کیا گیا ہے۔'

کتاب میں صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے۔ ان اعلام واشخاص سے فکر شبلی کی وسعت اور ہمہ گیری کا وسیع منظر نامہ بھی سامنے آجاتا ہے اور اس سے افکار شبلی کی تفہیم وترسیل بھی آسان ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر خالد ندیم، یونی ورسٹی آف سرگودھا کی ایک تحریر، جو کتاب کے بیک کور پر شائع کی گئی ہے، کے بقول:

''شبلی کی اردو، فارسی اور عربی شاعری کی تلمیحات، اشارات، استعارات اور علامتوں کو پہلی مرتبہ اس سلیقے اور سنجیدگی سے پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے اس کتاب کی تکمیل آسان نہیں تھی۔ اس موضوع پر اردو میں کام کم ہوا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے کلام شبلی کو کھنگالا، جو کلام کلیات یا دیگر مجموعوں میں شامل نہیں تھا، انھیں تلاش کیا۔ گویا کہ انھیں اس نئی تصنیف کے لیے نئے برگ وبار سے کام لینا پڑا۔''

ڈاکٹر صاحب نے ناموں کے اندراج میں نسبت اور لقب کو حسب معمول لکھا ہے۔ ہر تذکرہ کے آخر میں کلام شبلی کے جن صفحات پر اعلام واشخاص کا ذکر یا نام آیا ہے، ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ حوالے کا اور کتابیات واشاریے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے اشاریہ بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ کتاب میں کہیں کہیں پروف پر توجہ نہیں دی گئی ہے، مثلاً فہرست میں ایک جگہ الطاف حسین حالی کو الطا حسین حالی لکھ دیا گیا ہے۔ ایسی ہی غلطیاں چند ایک جگہ اور ہیں۔ کتاب میں جو تذکرے شامل ہیں ان پر سخت محنت کی گئی ہے، کلام شبلی میں ان کے ذکر کے اسباب بھی بتا دیے گئے ہیں اور پس منظر کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

یہ اعلام واشخاص اوران کا تذکرہ ملک کی تاریخ کو سمجھنے میں بھی مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور مذہب و تاریخ کو بھی۔ اللہ کا نام شامل نہیں ہے، اسی طرح ابلیس لعین کا نام نہیں ہے۔ کیا شبلی کے کلام میں یہ شامل نہیں ہیں؟

ڈاکٹر صاحب کو اس کتاب کے لیے مبارک باد پیش نہ کرنا حق ناشناسی ہوگی۔ انھوں نے حقانی القاسمی کی فرمایش پر ایک مقالہ لکھنا شروع کیا تھا اور کتاب تیار کر دی۔ عطا خورشید نے بھی ایک فرمایش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس طرح کا کام شبلی کی نثری تحریروں کے حوالے سے بھی کر دیں، تا کہ ایک جامع سوانحی لغت تیار ہو جائے۔ امید ہی نہیں یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس فرمایش کی تکمیل کریں گے۔

کتاب کا انتساب ڈاکٹر محمد ارشد خان کے نام ہے جو ڈاکٹر صاحب کے عزیز دوست، شاعر وادیب ہیں۔

۱۸۴-صفحات کی یہ کتاب ادبی دائرہ، اعظم گڑھ سے شائع کی گئی ہے، پرنٹنگ صاف وشفاف ہے۔ قیمت ۲۵۰-روپے ہے۔

---

[۹]

ماہرِ شبلیات محمد الیاس الاعظمی کی کتاب

’’بیانِ شبلی-۱‘‘

کا بیان

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کو ماہرِ شبلیات کیوں کہا جاتا ہے؟

اس لیے کہ علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر اگر ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تمام کتابوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت، جسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا، سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اگر اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو کام میں لا کر یہ کتابیں اور مقالات تحریر نہ کیے ہوتے تو علامہ شبلی نعمانی کی زندگی کے بہت سارے اہم پہلو اور گوشے ہنوز پردۂ خفا میں رہتے، بہت سے معاملات میں علامہ پر جو کیچڑ اچھالی گئی ہے، وہ صاف نہ ہوئی ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب ماہرِ شبلیات کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے علامہ شبلی کی زندگی اور ان کے کارناموں کو رتی رتی کر کے ہم سب کے سامنے عیاں کرنے کو اپنا مشن بنا لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ۲۰۲۰ء میں علامہ شبلی کی حیات و خدمات پر دو کتابیں ’نقوشِ شبلی‘ اور ’کلامِ شبلی کے اعلام و اشخاص‘ آئی تھیں۔ اس سے قبل شبلی پر ان کی ۱۴- کتابیں آ چکی ہیں اور اب ایک نئی کتاب ’بیانِ شبلی‘ کے نام سے ۲۰۲۱ء کے آغاز میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ یہ شبلی پر ڈاکٹر صاحب کی پندرہویں کتاب ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

بیانِ شبلی ان کے گیارہ مقالات کا مجموعہ ہے، اوران کے مقالات کی تعداد اتنی

زیادہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے بیانِ شبلی کے عنوان کے ساتھ باقی کے مقالات کو سلسلہ وار شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، اسی لیے اس جلد پر انھوں نے ۱-نمبر ڈال دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں کہ 'انھوں نے درجنوں مقالات سپردِ قلم کیے، جن کے تین مجموعے: متعلقاتِ شبلی، شبلی اور جہانِ شبلی اور نقوشِ شبلی علی الترتیب ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۸ء اور ۲۰۲۰ء میں شائع ہوئے۔ ان مجموعہ ہائے مقالات کو نئے نئے ناموں سے شائع کرنے کے بجائے ایک نئے سلسلہ مضامین بیانِ شبلی کے تحت شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ زیر نظر مجموعہ بیانِ شبلی کا پہلا حصہ ہے۔ اس میں کل ۱۱-مضامین و مقالات شامل ہیں اور تمام مقالات علامہ شبلی کی شخصیت کے کسی نئے پہلو اور گوشے سے متعلق ہیں اور ان میں متعدد متنوع جدید مطالعات وتحقیقات شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ امید اور یقین کہ فکرِ شبلی کی تفہیم وترسیل میں یہ مجموعہ نہ صرف معاون اور مفید ثابت ہوگا بلکہ ذخیرۂ شبلیات میں بھی ایک اضافہ قرار پائے گا، بالکل بجا ہے۔ کیوں کہ یہ گیارہ کے گیارہ مقالے علامہ شبلی کی حیات وخدمات کے بعض ایسے پہلو اور گوشے سامنے لاتے ہیں جو پہلے سامنے نہیں آئے تھے۔ مثال ایک مقالے 'علامہ شبلی کے چند نو دریافت غیر مدون خطوط' کی لے لیں، یہ مقالہ علامہ شبلی کے ان تیرہ نو دریافت خطوط کے بارے میں ہے جو مختلف کتب ورسائل سے ہاتھ آئے ہیں۔ اس مقالے سے پتہ چلتا ہے کہ سرسید احمد خان کے دوست اور علی گڑھ تحریک کے خاص لوگوں میں سے ایک قاضی سراج الدین احمد نے علامہ شبلی کی معروف کتاب الفاروق پر سبقت کی غرض سے بعجلت سیرۃ الفاروق لکھ کر شائع کرائی تھی۔ اس کوشش کو سرسید نے ناپسندیدہ فعل قرار دیا تھا۔ قاضی سراج الدین احمد کے نام علامہ شبلی کے دو خطوط ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہندستان کے مشاہیر کا تذکرہ قلم بند کرنے کے لیے علامہ شبلی سے انھوں نے مشورہ کیا تھا اور علامہ نے ملک کے مشہور مشاہیر اہلِ علم اور اربابِ کمال کی ایک فہرست انھیں تیار کر

کے دی تھی۔ پتہ چلتا ہے کہ فہرست میں کئی جید اہلِ علم کے نام شامل نہ کرنے پر علامہ شبلی نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ ایک خط قائد الملک نواب غلام احمد کلامی کے نام ہے، جو ریاست ارجن گڑھ ترچنا پلی تامل ناڈو کے چشم و چراغ تھے۔نواب صاحب چاہتے تھے کہ علی گڑھ کالج کی طرح وانم باڑی میں بھی ایک کالج قائم کیا جائے، مگر یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔مولانا مفتی شیر علی بڑے عالم و فاضل تھے، ان کے نام نو دریافت خطوط کی تعداد ۹ ہے۔علامہ شبلی کی خواہش پر وہ ندوہ آئے اور صدر مدرس مقرر ہوئے تھے۔

خطوط کے حوالے سے اس کتاب میں مزید ایک وقیع مقالہ 'علامہ شبلی کے نام معاصرین کے خطوط: مسائل و مباحث' بھی شامل ہے، جو انجمن ترقی اردو کے پہلے سکریٹری کی حیثیت سے علامہ شبلی کی جدوجہد کو سامنے لاتا ہے، تحریک علی الاولاد کے سلسلے میں عمائدین کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی، جو رائیں سامنے آئیں اور جو کارروائیاں ہوئیں، اس کی داستان سے واقف کراتا ہے، جرجی زیدان کی بدمعاشیوں کا پردہ چاک کرتا اور ندوہ و ماہنامہ الندوہ کے موضوعات پر بحث کرتا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے بقول 'یہ ایک مقالہ نہیں بلکہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، جو بیانِ شبلی کی اس جلد میں سمیٹ دی گئی ہے۔' اس مقالے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ہندو اہلِ قلم نے یہ اعتراض کیا تھا کہ انجمن ترقیِ اردو میں ہندوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے، علامہ شبلی نے اس کا جواب اخبارات میں شائع کرا کے مذکورہ اعتراض کو رد کیا تھا کہ انجمن کے قواعد میں اس خیال کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور عملی تردید اس خیال کی یہ ہے کہ انجمن نے سب سے پہلا انعام جو تصنیف پر دیا وہ ایک ہندو مترجم کو دیا اور ایک ایسی کتاب پر دیا جو ہندو قوم کے ساتھ مخصوص تھی۔علامہ شبلی کے اس تردیدی بیان کے بعد بہت سے ہندو اہلِ علم انجمن کے رکن بنے۔میرٹھ کے رئیس آنریبل رائے نہال چند نے اردو ہندی زبانوں کو ترقی دی جائے کا مشورہ دیا اور انجمن کی ممبری قبول کی۔اس مقالے میں متعدد اہلِ علم، اربابِ کمال اور امرا و روؤسا اور

والیانِ ریاست کے خطوط اوران کے اقتباسات شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کے اس خطبہ کو، جو انھوں نے دہلی کے حلقۂ مشائخ میں خواجہ حسن نظامی کی فرمایش پر تصوف کے موضوع پر دیا تھا، تلاش کر کے 'تصوف: شبلی نعمانی کی ایک نادر تقریر' کے عنوان سے شاملِ کتاب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہ علامہ شبلی کا تصوف کے موضوع پر واحد خطبہ ہے اور اس میں امورِ تصوف کے ساتھ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اجمالی تشریح بھی ہے۔

ایک مقالہ 'علامہ شبلی، اقبال اور دارالمصنّفین' کے عنوان سے ہے۔ اس میں شبلی اور اقبال کے علمی روابط کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ تین اہم مقالے 'علامہ شبلی کے چند منتخب اشعار'، 'کلامِ شبلی پر تضمین: ایک مطالعہ' اور 'اردو شارٹ ہینڈ اور علامہ شبلی' کے عنوانات سے ہیں۔ آخر الذکر مقالے سے پتہ چلتا ہے کہ اردو شارٹ ہینڈ کے بانی پروفیسر ایم ایل گھوش تھے۔ علامہ شبلی شارٹ ہینڈ کے فن کو نہایت ضروری قرار دیتے تھے۔ ایک مقالہ 'سیاسیاتِ شبلی' کے عنوان سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول 'علامہ شبلی نعمانی ابتدا سے ہی قوم پرور خیالات رکھتے تھے، جب لفظ نیشنل انگریز حکومت سے بغاوت کے مترادف تھا تب علامہ نے اعظم گڑھ میں نیشنل اسکول کی بنیاد ڈالی تھی۔ علامہ شبلی اصلاً انگریزوں کے سخت مخالف تھے اور ملک میں ان کی حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔' یہ بہت اہم مقالہ ہے، کاش اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب پوری ایک کتاب لکھ سکیں۔

کتاب کے نام یعنی بیانِ شبلی کے عنوان سے بھی ایک طویل مقالہ ہے۔ اس مقالے میں علامہ شبلی کی فکر و نظر، تصنیفات و تالیفات اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم وغیرہ سے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں۔ اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے الفاروق کے سندھی، فارسی اور ہندی تراجم کا تعارف کرایا ہے، سیرۃ النبی کے سندھی ترجمے سے واقف کرایا ہے، شعر العجم کے عربی اور نقد شعر العجم کے فارسی ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ اور

علامہ شبلی نعمانی کی ایک نظم کے انگریزی ترجمے پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مقالے میں ڈاکٹر وحید قریشی کی کتاب 'شبلی کی حیاتِ معاشقہ' کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر وحید قریشی نے اس کتاب کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا اور جب کتاب دوبارہ شائع ہوئی تو وہ خوش نہیں تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ جائز سوال اٹھایا ہے کہ جب یہ کتاب ممنوعِ اشاعت قرار دے دی گئی تھی تو شائع کیسے ہوئی؟ اس مقالے میں شبلی کی حیات و خدمات کے تعلق سے بہت ساری باتیں آ گئی ہیں۔

آخر کے دو مضامین 'شبلی کی بدولت: دارالمصنّفین' اور 'علامہ شبلی کا ایک خواب: معارف' کے عنوان سے ہیں۔ ان دونوں ہی مضامین میں دارالمصنّفین اور معارف کی تاریخ پر اور اس تاریخ میں علامہ شبلی کے کردار پر مدلل اور بھرپور بات کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے ذریعے علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات کے جہاں نئے گوشے اور پہلو سامنے لانے میں کامیابی حاصل کی ہے، وہیں یہ مقالے فکرِ شبلی کی تفہیم و ترسیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

یہ کتاب بلا شبہ ذخیرۂ شبلیات میں اضافہ ہے۔ کتاب کی طباعت ادبی دائرہ اعظم گڑھ کے زیرِ اہتمام ہوئی ہے، اسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی نے روایتی شان سے شائع کیا ہے۔

۲۰۸-صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۳۰۰-روپے ہے، جو سفید کاغذ اور مضبوط جلد اور کتاب میں شامل بے حد قیمتی مواد کو دیکھتے ہوئے زیادہ نہیں ہے۔

---

[۱۰]

تصانیفِ شبلی کے تراجم

علامہ شبلی نعمانی کی کتابوں کے عالمی وعلاقائی زبانوں میں تراجم: ایک وقیع تحقیق

بات ۲۰۲۰ء کے کسی مہینے کی ہے۔ایک روز موبائل کی گھنٹی بجی، رسیو کیا، دوسری جانب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ماہر شبلیات تھے۔ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد کہنے لگے' کیا کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو بتا سکے کہ علامہ شبلی نعمانی کی کسی کتاب یا کتابوں کا مراٹھی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔' میں نے جواب میں کہا' مجھے تو نہیں پتہ، کسی سے پوچھتا ہوں۔' میں نے ایک ''محقق'' کا نام لیا، کہنے لگے یہ نہیں بتا پائیں گے۔ڈاکٹر صاحب کے روکنے کے باوجود میں نے محقق سے اس تعلق سے بات کی۔انھوں نے یہ کہہ کر فون کاٹ دیا کہ 'نہیں، مراٹھی میں شبلی کا ترجمہ نہیں ہوا ہے۔' اور اب جب ڈاکٹر صاحب کی نئی کتاب 'تصانیف شبلی کے تراجم' ہاتھ میں آئی تو پتہ چلا کہ شبلی کی ایک نہیں تین کتابوں کے مراٹھی زبان میں ترجمے ہوئے ہیں۔

مذکورہ واقعہ سنانے کا مقصد اس بات پر روشنی ڈالنا ہے کہ جو واقعی 'محقق' ہوتے ہیں وہ جگ چھان مارتے ہیں، اور جب تک ہونے نہ ہونے کی واقعی تحقیق نہ ہو جائے، نہ بیٹھتے ہیں اور نہ ہی کوئی حتمی بات کرتے ہیں اس ''محقق'' کی طرح جس نے بڑی آسانی سے شبلی کی کتابوں کے مراٹھی زبان میں ترجمے نہ کیے جانے کی بات کہی تھی۔ اور ایک

مقصد یہ بتانا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ،شبلی شناس یوں ہی نہیں کہے اور مانے جاتے ہیں، وہ علامہ شبلی کی حیات اور خدمات کے عیاں گوشوں کو مزید محنت سے کھنگالتے اور نہاں گوشوں کو پوری لگن سے تلاش کرتے اور لوگوں کے سامنے لاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ کام ایک عرصے سے کررہے ہیں۔ مطالعات شبلی پر یہ زیرِ تعارف وتبصرہ کتاب 'تصانیف شبلی کے تراجم' علامہ کی حیات وخدمات کے موضوع پر ان کا اُنیسواں کارنامہ ہے۔

اس سے قبل کہ اس کتاب پر میں کوئی بات کروں، ڈاکٹر صاحب اور اس کتاب کے بارے میں کراچی کے ممتاز محقق ونقاد ڈاکٹر معین الدین عقیل کی رائے جان لی جائے۔ عقیل صاحب کا ایک مختصر سا مگر جامع مضمون 'شبلی شناسی کی نئی منزلیں' کے عنوان سے اس کتاب میں شامل ہے، اسے اس کتاب کا 'مقدمہ' بھی کہا جاسکتا ہے۔ موصوف شیخ محمد اکرام اور عزیز احمد جیسے ذی وقار ادبا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان دونوں حضرات کے ماضی وحال کے معاصرین نے شبلی پر اپنے متنوع نوعیت ومعیار کے جو مطالعات پیش کیے، ان کا ایک دل نشیں عروج محمد الیاس اعظمی کی متواتر کاوشوں میں نظر آتا ہے، جو بے حد قابلِ رشک اور مثالی ہیں کہ موصوف نے شاید زندگی کے سارے معاملات یہاں تک کہ کھانا پینا بھی ترک کر کے خود کو صرف مطالعاتِ شبلی ہی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔''

کتاب کے بارے میں عقیل صاحب لکھتے ہیں:

> ''کوشش کہ تصانیف شبلی کے تراجم کا پتہ لگایا جائے اور ان کی ایک کتابیات بھی مرتب کی جائے اور اس طرح دیگر زبانوں کے مترجمین کی بھی شبلی میں دل چسپی کو اخذ کر کے شبلی کے بارے میں ایک مزید اضافی رائے قائم کرنے کی کوشش کر لی جائے، کچھ کم اہم نہیں ہے۔ یوں یہ مقصد عالمی سطح پر شبلی کو مزید بہتر صورت میں سمجھنے اور شبلی کی خدمات کو متعین کرنے میں بھی معاون ہو

سکے گا۔''

مذکورہ دونوں اقتباسات سے یہ اندازہ آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے کہ الیاس اعظمی ،لگن ،محنت اور یکسوئی کے ساتھ اپنے منتخب موضوع پر مسلسل تحقیق کرر ہے اور ہرنئی کتاب کے ساتھ شبلی شناسی کی نئی منزلوں کو چھو رہے ہیں۔ یہ کتاب لگن اور محنت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تھی ،کیوں کہ تلاش شبلی کی کسی ایک کتاب کے ،دوسری کسی زبان یا زبانوں میں ،ترجمے کی نہیں تھی ،تلاش شبلی کی کل کتابوں کے ،اس میں شبلی کے مقالات بھی شامل کر لیں ،دیگر زبانوں میں ترجمے کی تھی ۔یعنی تلاش کا عمل نہ آسان تھا اور نہ ہی یہ عمل ایک دن کا تھا۔

الیاس اعظمی نے یوں تو اپنے اس کام کی بنیاد معروف علمی جریدے معارف کے لیے ایک مضمون 'علامہ شبلی کی تصنیفات کے ترجمے' لکھ کر ڈال دی تھی ،اور اس وقت جب مولانا ضیاء الدین اصلاحی حیات تھے ۔بعد میں مزید ایک مضمون جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے مجلّے 'جامعہ' کے لیے بعنوان ''عالمِ اسلام میں شبلی شناسی'' لکھ کر اس میں اضافہ بھی کیا تھا،لیکن اس موضوع سے مکمل انصاف اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک کہ ترجمہ شدہ کتابوں اور ان کے مترجمین کی ایک ایک تفصیل شاملِ کتاب نہ ہوتی ۔اور اس کتاب میں تمام تفصیلات شامل ہیں۔

الیاس اعظمی 'حرفِ آغاز' میں لکھتے ہیں:

> ''پیشِ نظر کتاب دنیا بھر میں ہونے والے تصانیف شبلی کے تراجم کے تعارف وتذکرہ کا مجموعہ ہے۔اور وضاحتی کتابیات کی طرح ایک ایک کتاب کی تمام تفصیلات نہایت تلاش وتفحص سے یک جا کی گئی ہیں ۔تراجم کے ناشرین،ان کے مطابع ،صفحات،سنہ اشاعت اور دیگر قابلِ ذکر تفاصیل درج کرنے کے علاوہ مترجمین کا تذکرہ بھی قلم بند کیا گیا ہے۔اور بلا شبہ ان

تذکروں کے لکھنے میں بڑی کدوکاوش کی گئی ہے۔''

آج جب لوگوں کا رشتہ حصولِ علم سے کٹ سا گیا ہے اور لوگ مطالعے کی بجائے ، بالخصوص اردو والے ، موبائل کے چکر میں پھنس گئے ہیں تو اکثر ذہن یہ سوال پوچھتا ہے کہ بھلا کیا ضرورت تھی اس کدوکاوش اور تلاش وتفحص کی؟ کیا مل گیا لوگوں کو یہ بتا کر کہ علامہ شبلی نعمانی کی اتنی ساری کتابیں دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں؟ اس سوال کا جواب لوگوں کو شاید شبلی کی کتابوں کے موضوعات میں مل جائے۔علامہ نے جزیہ جیسے حساس موضوع پر لکھا ہے اور اس پر اعتراضات کے اطمینان بخش جواب دیے ہیں ، اورنگ زیب پر ایک کتاب لکھ کر ان کے حوالے سے مسلم قوم کو نشانہ بنانے کی شر پسندوں کی کوششوں کو نا کام بنانے کی کامیاب سعی کی ہے ۔ ایک اہم کتاب سات جلدوں میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جس کے مطالعے سے ذہنوں پر پڑے تعصب کے پردے کھلتے چلے جاتے ہیں ۔ یہ کتابیں آج نہ صرف کہ ہمیں پڑھنی ضروری ہیں، بلکہ ان کے تراجم دوسروں تک پہنچانا بھی ضروری ہیں تا کہ لوگ فرقہ پرستوں کے زہریلے پروپیگنڈے سے بچ سکیں۔

الیاس اعظمی لکھتے ہیں کہ

''علامہ شبلی نے تعبیر و بیان کا ایسا انوکھا اور نادر اسلوب اختیار کیا کہ علما کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ حلقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا(اور تراجم کے ذریعے)افکار ونظریات شبلی کا آوازہ پوری دنیا میں بلند ہوا۔''

آج بھی بقول الیاس اعظمی :

علامہ شبلی کی چند کتابیں اپنے بلند معیار ، منطقی طرزِ استدلال اور منفرد اسلوب کی بنیاد پر دنیا کی مختلف زبانوں کے اہلِ علم ودانش کا مرکزِ نگاہ بنی ہوئی ہیں۔اور یہ بات ہمارے ملک ہندستان کے لیے خاص طور پر باعثِ افتخار

ہے۔''

اس کتاب میں علامہ شبلی کی ایسی ۲۰- کتابوں کی، جن کے تراجمے دوسری ۱۸- عالمی و علاقائی زبانوں میں ہوئے ہیں، تفصیلات جمع کی گئی ہیں۔ تراجم کی تعداد ۱۴۰، اور مترجمین کی تعداد ۹۳- ہے۔ تین کتابیں سیرۃ النبی، الفاروق اور شعرالعجم کے ترجمے سب سے زیادہ ہوئے ہیں۔ اول الذکر کے ۳۵، دوسری کے ۳۰- اور تیسری کتاب کے ۱۸- ترجمے ملتے ہیں۔ سیرۃ النبی کی پہلی جلد کا ترجمہ مراٹھی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔

الیاس اعظمی لکھتے ہیں:

''ترجمہ جناب میر منشی محمد اسماعیل بھالدار نے کیا۔ وہ مراٹھی زبان کے ممتاز اہلِ قلم اور ادیب تھے۔ اس کی طباعت کے تمام اخراجات نظام حیدرآباد نے مرحمت فرمائے تھے۔ یہ مئی ۱۹۴۲ء کی بات ہے، مگر کسی ذرائع سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ ترجمہ شائع ہوا بھی یا نہیں۔ اب یہ بات مراٹھی زبان جاننے والا ہی کوئی شخص بتا سکتا ہے۔ مراٹھی زبان میں الفاروق اور الجزیہ کے ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ الفاروق کا ترجمہ ڈاکٹر میر اسحاق نے کیا ہے اور بہت جلد شائع ہونے والا ہے۔ مراٹھی کے علاوہ گجراتی، کشمیری، کنڑ، ملیالم، تمل اور ہندی زبانوں کے تراجم کا بھی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ کی کتابوں کے سب سے زیادہ تراجم فارسی زبان میں ہوئے ہیں، ۲۹۔ انگریزی زبان میں ۲۲- تراجم ہیں اور عربی زبان میں ۲۱- تراجم۔ یہ ترجمے افغانستان سے لے کر امریکہ تک ۱۳- ملکوں میں شائع ہوئے ہیں۔ الیاس اعظمی نے الفاروق کے فرنچ زبان میں ترجمے کو بھی کھوج نکالا ہے۔

کتابوں کی تفصیلات کے ساتھ تصانیفِ شبلی کے ۹۳- مترجمین کا تعارف و تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے۔ متعدد تراجم کی ایک فہرست اور ان کے سرورق بھی دیے گئے ہیں۔ مولانا محمد عرفات اعظمی نے بڑی محنت سے کتاب کا اشاریہ تیار کیا ہے۔ کتابیات بھی

ہے۔

ایک دل چسپ بات کا ذکر اردو والوں کی علم سے دوری کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے۔شبلی کی دو عربی زبان کی کتابوں اور بعض فارسی کی تحریروں کے کل ۵- اردو ترجمے ملتے ہیں ،جب کہ بنگالی زبان میں شبلی کے ۲۱- ترجمے موجود ہیں۔کیا ہی افسوس ناک صورت حال ہے۔

اس کتاب میں لسان الصدق میں شائع ان کے ایک مضمون کا ایک اقتباس دیا گیا ہے:

''میں ترجمہ کو اصلی خدمت سمجھتا ہوں، بلکہ ان شاء اللہ اس کا ایک با ضابطہ سر رشتہ قائم کروں گا۔''

ان کی روح اپنی کتابوں کے اتنے سارے ترجمے دیکھ کر یقیناً خوش ہوگی اور محمد الیاس اعظمی کے اس کام سے بھی چین اور سکون حاصل کیا ہوگا۔ یہ کتاب شبلی شناسی میں بے شک ایک پیش رفت ہے، ڈاکٹر صاحب اس کے لیے مبارک باد کے حق دار ہیں۔

کتاب کا انتساب ماہرِ شبلیات ڈاکٹر خالد ندیم کے نام ہے، جو صدر شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف سرگودھا ہیں۔

کتاب نئی دہلی سے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے خوب صورت انداز میں شائع کی ہے۔۲۲۴-صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۴۰۰-روپے ہے۔

[۱۱]

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ

باتیں عروج اور زوال کی

ماہرِ شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی نئی کتاب 'مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ' پڑھ کر خوب اندازہ ہوجاتا ہے کہ نہ قومی زوال کا رونا نیا ہے، اور نہ ہی مسائل پر سینہ کوبی کرنا نئی بات ہے۔ زوال کی باتیں گزرے ہوئے کل میں بھی ہوتی تھیں اور آج ہی جیسے مسائل گزرے ہوئے کل کو بھی چھیڑتے تھے۔ ہاں، کل اور آج میں ایک بڑا فرق ضرور ہے، خلوص کا فرق۔ پہلے خلوص، آج کی طرح دکھاوے کا نہیں تھا۔ سماجی، معاشی اور تعلیمی میدان میں آج مسلمانوں کی جو بھی شناخت ہے، وہ اسی خلوص کا نتیجہ ہے، ورنہ آج مسلمان شاید ہمیشہ کے لیے زوال کے ساتویں طبق میں پڑے ہوتے۔

ویسے تو یہ کتاب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی علامہ شبلی نعمانی کے سلسلے کی کتابوں میں سے ہی ایک ہے، لیکن پہلے کی کتابوں سے بہت مختلف۔ اس کتاب میں علامہ شبلی کے حوالے سے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اور کانفرنس کے حوالے سے مسلمانانِ ہند کے عروج اور زوال کی اور مخلصین کی ناقدری کی ''تاریخ'' بیان کی گئی ہے۔ میں نے لفظ تاریخ کو واوین میں اس بات پر زور دینے کے لیے لکھا ہے کہ یہ تاریخ کی کوئی ٹھس اکیڈمک کتاب نہیں ہے، یہ احساسات پر ضرب لگانے والی کتاب ہے، اسے دل کی زبان سے لکھا گیا ہے۔

کتاب پر بات کرنے سے پہلے ڈپٹی ڈائریکٹر دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی کے تحریرکردہ پیش لفظ پر ایک نظر ڈال لیتے ہیں۔ ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی نے اپنے پیش لفظ میں ایک بہت ہی اہم اور قابلِ غور بات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ بڑے حیرت کا مقام ہے کہ جس ایجوکیشنل کانفرنس نے ہندستانی باشندوں کو فکری غذا فراہم کرنے اور تعلیم کے تئیں عوام وخواص کو حساس اور فکر مند بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا، اس سے متعلق کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں اس تحریک کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کے ہمہ گیر اثرات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہو۔ بعض کتابوں میں کانفرنس کے بعض پہلوؤں سے بحث ضرور کی گئی ہے، لیکن اس کانفرنس کی تمام کاروائیوں اور کارگذاریوں کی مکمل معلومات کی خواہش رکھنے والوں کو یقیناً مایوسی ہوگی۔ کیا ایک ایسے ادارے کی تاریخ سے جس کا مسلمانوں کی تعلیمی تحریک میں اہم ترین کردار ہے، لوگوں کو نابلد رکھنا ''خیانت'' نہیں ہے؟ یہ خیانت بھی ہے اور ناقدری بھی۔ افسوس تو یہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی تک نے کہ کانفرنس کی بنیاد سرسید احمد خان نے رکھی تھی، اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔''

ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی نے کتاب کے مصنف کے تئیں جو یہ لکھا ہے کہ 'ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے زیر نظر کتاب لکھ کر علمی دنیا کی اس جانب توجہ مبذول کرائی ہے'، وہ بالکل بجا ہے۔ کتاب کے 'دیباچہ' میں مصنف نے بھی اس افسوس ناک حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ اب تک آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی عظیم الشان تعلیمی خدمات اور اس کی طویل تاریخ کا مفصل مطالعہ و جائزہ پیش ہی نہیں کیا جا سکا

ہے۔ حالاں کہ مسلمانوں کی تعلیمی زندگی پر کسی اور تحریک کے شاید ہی اتنے اثرات مرتب ہوئے ہوں جتنے ایجوکیشنل کانفرنس کے ہوئے ہیں۔''

کتاب لکھنے کی جو وجوہ بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے:

''اس تصنیف کا بنیادی مقصد علامہ شبلی نعمانی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام و استحکام اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں جو کردار ادا کیا یا جو ان کا بنیادی حصہ ہے، اس کی وضاحت و تفصیل قلم بند کرنی ہے۔ نیز کانفرنس کے حوالہ سے علامہ شبلی نے جو علمی، تعلیمی، قومی، ملی اور تاریخی خدمات انجام دیں، ان کے مطالعہ و تجزیہ کے ساتھ ان کی منظوم و منثور تحریروں کو یکجا کرنا ہے جو انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں پیش کی تھیں اور جن سے ہمارے تعلیمی نظام اور تعلیمی نقطۂ نظر کی اصلاح میں بہت کچھ مدد ملی۔''

گویا کہ اس کتاب کے لکھنے کا ایک مقصد علامہ شبلی کی منظوم اور نثری تحریروں کو جمع کرنا اور دوسرا مقصد علامہ کے حوالے سے کانفرنس کی درست تصویر آج کی نسل کے سامنے رکھنا ہے۔

کتاب کا آغاز مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کی مختصر تاریخ سے کیا گیا ہے۔ سر سید احمد خان نے ۲۷-دسمبر ۱۸۸۶ء کو کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ بانیان میں مولوی سمیع اللہ خان، نواب محسن الملک، مولانا الطاف حسین حالی، نواب وقار الملک اور علامہ شبلی وغیرہ بھی شامل تھے۔ سب جانتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمان سیاسی زوال کے ساتھ تہذیبی و تمدنی زوال سے بھی دوچار ہوئے، جس کے نتائج انتہائی تکلیف دہ تھے۔ سر سید احمد خان نے مضمرات کو محسوس کیا اور مسلمانوں کو قعرِ مذلت سے نکالنے کے لیے میدان میں اتر کر اور بہت کچھ قربان کر کے کام شروع کیا، ان کے رفقا ان کے ساتھ

تھے۔ پہلے ایم اے او کالج علی گڑھ کی بنیاد ڈالی، جو آج مسلم یونی ورسٹی ہے، اور پھر کانفرنس کا قیام کیا۔ قیام کے موقع کا خطبہ بقول ڈاکٹر اعظمی 'ان کے (سرسید کے) دل کی آواز بھی تھا اور ملت کے دل کی بھی'۔ سرسید نے اپنے خطبہ میں مسلمانوں کی حالت کے تنزل کا ذکر کیا، کہا کہ سیاسی امور پر بحث کرنے سے نہیں، مسلمانوں کی قومی ترقی صرف تعلیم ہی کے ذریعے ہوگی۔ زور دیا کہ مسلمان آپس میں ملیں، قومی بھلائی، قومی تعلیم، قومی ترقی کے لیے جمع ہوں، تاکہ قومی ہمدردی پیدا ہو یا جو کچھ وہ ہے، اس میں اضافہ ہو۔ طے کیا کہ سال میں ایک جلسہ ہو، تاکہ تعلیم کی ترقی میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے کوشش کی جا سکے۔ مقاصد میں اعلیٰ تعلیم کی فراہمی کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کام بھی تھے۔ بعد میں جیسے جیسے اجلاس ہوتے گئے، قراردادیں پیش ہوتی رہیں اور مقاصد کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ آگے کے صفحات میں کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں مختصراً کانفرنس کے اجلاسوں کی روداد پیش کی گئی ہے، کل ۲۶- روداد۔ یہ رودادیں اپنے اندر اس ''کل'' کو سموئے ہوئے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی تعلیمی تنزلی کا بھی شاہد ہے اور اس تنزلی سے قوم کو باہر نکالنے کے لیے کی جانے والی مخلصانہ کوششوں کا بھی۔

پہلا اجلاس ۲۷ تا ۲۹ ستمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں مولوی سمیع اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا، لیکن اس کے روحِ رواں سرسید تھے، انھی کو کانفرنس کی تاریخ کا پہلا رزولیشن پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسرا رزولیشن علامہ شبلی نے پیش کیا تھا۔ انھوں نے اپنے خطبہ میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے کم حصے کو اجاگر کیا، مسلمانوں کے اپنے قومی اخبار کے نہ ہونے پر افسوس جتایا، اپنے حقوق ظاہر کرنے کے لیے ذرائع کے نہ ہونے کی بات کی اور کہا کہ ان سب کی وجہ اعلیٰ تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ انھوں نے انگریزی، سائنس اور لٹریچر کی تعلیم کو ضروری قرار دیا۔ اس اجلاس میں حکومت سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ مغربی علوم کی تعلیم دے اور مشرقی علوم کو مسلمانوں کے لیے چھوڑ دے۔ ایک فیصلہ یہ کیا گیا

کہ مکاتب کی توسیع کی جائے اور حفظِ قرآن کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

کانفرنس کے بعد کے اجلاسوں میں بھی اہم فیصلے کیے گئے، مثلاً اعلیٰ تعلیم کے لیے مسلمان طلبہ کو وظائف دیے جانے کا انتظام کرنا، اوقاف کے روپے کو انگریزی اور جدید تعلیم پر خرچ کرنا، یہ اپیل کہ زکوۃ کے پیسے کو مسلمان بچوں کی تعلیم پر خرچ کیا جائے، ٹیکنیکل تعلیم کے لیے علاحدہ ادارے کھولنے کا منصوبہ، کم عمر بچوں کے لیے نصابِ تعلیم کی تیاری پر توجہ مبذول کرانا، علمی اور ادبی منصوبوں کی تکمیل کے فیصلے، کانفرنس کی طرف سے اہم کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ، تعلیمِ نسواں کو ترقی دینے کا فیصلہ، مسلم طلبہ کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں ہوسٹلوں کے قیام کا فیصلہ، مسلم یونی ورسٹی کے قیام کے لیے جدوجہد میں تیزی، تحریک ندوہ کی حمایت، انجمن ترقی اردو کا قیام وغیرہ وغیرہ۔

کانفرنس نے بہت سے کام کیے، بہت سے مسائل حل کیے، مسلمانوں کی تنزلی کے بہت سے اسباب کا سدِ باب کرنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ مسائل آج بھی ہیں لیکن آج کوئی سرسید اور شبلی نہیں ہے۔ خیر! جیسا کہ ہوتا آیا ہے کانفرنس کی کامیابی کے ساتھ کچھ مسائل بھی کھڑے ہوئے اور کچھ مخالفتیں بھی ہوئیں، نتیجتاً سرسید کچھ ایسے پریشان ہوئے کہ انھوں نے کانفرنس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن علامہ شبلی نے اس موقع پر زوردار خطاب کیا اور سرسید کو منا لیا۔ شبلی کا کہنا تھا کہ کانفرنس کے قیام کے اسباب و مقاصد درست ہیں اور اس کے مفید نتائج بھی برآمد ہونے لگے ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بڑی محنت سے کانفرنس کی رودادوں کو جمع کیا ہے اور ان میں جن امور پر بات کی گئی اور جن اشخاص کا تذکرہ ہے، ان کے بارے میں بھی تحقیق کر کے معلومات فراہم کی ہیں۔ سرسید کی موت کے بعد علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ کانفرنس کے ذمے داران کے افسوس ناک رویے کا ذکر بھی کتاب میں شامل ہے۔ ڈاکٹر اعظمی لکھتے ہیں:

''کانفرنس کے ابتدائی دور میں یعنی عہدِ سرسید میں جو لوگ کانفرنس سے وابستہ ہوئے، ان میں نواب محسن الملک اور مولانا حالی وغیرہ سب کو کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی گئی اور اگر یہ اعزاز نہیں دیا گیا تو علامہ شبلی کو نہیں دیا گیا۔ یہی نہیں، انجمن ترقی اردو سے بھی شبلی کو استعفاد دینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ کئی اجلاسوں میں ان کے ساتھ بے اعتنائی برتی گئی تھی۔''

اور ان کے ان خطبات کے ساتھ جو کانفرنس میں دیے گئے تھے، بقول ڈاکٹر اعظمی 'ہمارا رویہ مثبت نہیں رہا، چنانچہ ان میں چند کے سوا خطبات شبلی میں شامل نہیں ہیں'۔ اس کتاب میں 'مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم' یہ خطبہ مکمل شامل ہے۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ آج مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کس حال میں ہے؟ کہا تو یہ جا رہا ہے کہ کانفرنس ختم نہیں ہوئی ہے، لیکن سچ یہی ہے کہ اب اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے، نہ اس کے اجلاس ہوتے ہیں اور نہ اس کے منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے۔ علی گڑھ کے ایک سفر میں کوئی ۲۵- برس قبل کانفرنس کے دفتر جانا ہوا تھا۔ اجڑا ہوا دفتر، شاید اب وہ بھی نہ ہو۔ وہاں سے کئی کتابیں خریدی تھیں: حیاتِ محسن، وقار حیات، مالابار، تاریخ صولت شاہی، کانفرنس کی سوسالہ روداد، اور نہ جانے کیا کیا۔ پتہ چلا کہ اب کتابیں نہ بچی ہیں نہ شائع ہو رہی ہیں۔ خیر یہ تو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

ڈاکٹر اعظمی نے بالکل درست لکھا ہے:

''میں اپنے عہد میں کسی کے ساتھ اس طرح کی زیادتیاں دیکھتا ہوں تو خیال ہوتا تھا کہ یہ زوال کی نشانیاں ہیں، مگر مذکورہ واقعات کے علم میں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری قوم میں اس کا سلسلہ بڑا پرانا ہے اور زوال وادبار کی جو گھٹا چھائی ہوئی ہے اور ہلاکت اپنا جو سماں دکھلا رہی ہے، اس کے اسباب ہم سے پہلے والوں کی سرشت میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ گویا ہماری

بربادی کے اسباب پہلے سے ہماری قوم میں موجود ہیں۔‘‘

یہ کتاب،ہم سب کی آنکھیں کھول سکتی ہے،اس لیےاس کا مطالعہ ضروری ہے۔ کتاب میں حواشی بہت قیمتی ہیں۔اس اہم کتاب کو دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔صفحات۳۰۳- ہیں اور قیمت ۳۵۰- روپے۔کتاب حاصل کرنے کے لیےشبلی اکیڈمی سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

---

[۱۴]

نو دریافت خطباتِ شبلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ایک اور کارنامہ

اردو زبان وادب کی وہ شخصیات، جو تحریر اور تقریر میں یکساں مہارت رکھتی تھیں، ان میں علامہ شبلی نعمانی بھی شامل تھے۔ علامہ کے خطبات بہت پہلے 'خطباتِ شبلی' کے نام سے دارالمصنّفین، اعظم گڑھ سے مولانا عبدالسلام ندوی کے پرمغز مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔ اس اشاعت کے بعد ماہرِ شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے پندرہ خطبات ڈھونڈ نکالے، جو 'خطباتِ شبلی' میں شامل نہیں تھے۔ ان خطبات کو جمع کر کے 'خطباتِ شبلی: نو دریافت' کے نام سے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ نے اکتوبر ۲۰۲۱ء میں بڑے ہی اہتمام سے شائع کیا ہے۔

نو دریافت خطبات کے مجموعے کے پیش لفظ میں ڈاکٹر فخر الاسلام، جوائنٹ سکریٹری، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، علامہ شبلی نعمانی کی خطابت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علامہ کو تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ علامہ نے مسلم یونی ورسٹی کے مختلف جلسوں، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں اور ندوہ تحریک میں نئی روح پھونکنے کی غرض سے منعقد ہونے والے جلسوں مین جو تقریریں کیں، وہ اپنے مواد، علمیت اور زورِ بیان کی وجہ سے دلوں کو مسخر اور ذہنوں کو محور کر لینے

والی ہیں۔''

تقریروں کے موضوعات کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

علامہ شبلی کو علمی و ادبی موضوعات سے خصوصی ذہنی مناسبت تھی، لہٰذا ان موضوعات پر ان کی تقریریں ساحرانہ کیفیت کی حامل ہیں، لیکن انھوں نے ختم نبوت، علم کلام اور تصوف کے موضوعات پر جو تقریریں کی ہیں، وہ بھی اپنی علمیت اور زورِ بیان کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہیں۔''

یہ تقریریں، ڈاکٹر فخر الاسلام کے بقول 'اردو زبان کا قیمتی سرمایہ ہیں'۔

یہ نو دریافت خطبات کیوں اہم ہیں اور ان میں کیا ہے؟ یہ خطبات فنی اعتبار سے کیسے ہیں؟ علامہ کے خطبات کی خصوصیات کیا ہیں؟ علامہ کے خطبات کا طرۂ امتیاز کیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب میں کتاب کے مرتب ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے ایک محققانہ اور وقیع مقدمہ (تقدیم) تحریر کیا ہے۔ علامہ کی خطابت کا سلسلہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے شروع ہوا تھا، جس سے وہ کوئی ۲۷- برس وابستہ رہے اور یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ حیدر آباد، انجمن حمایت اسلام، لاہور، ندوہ اور علی گڑھ، دہلی، بھوپال، لکھنو، رام پور، بمبئی اور اپنے وطن اعظم گڑھ کے جلسوں میں وہ شرکت کیا ہی کرتے تھے۔ ایک دل چسپ بات ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھی ہے کہ 'علامہ شبلی نعمانی ابتدا میں مناظر تھے'۔ وہ بتاتے ہیں کہ 'علامہ کے اہل حدیث علما سے بڑے معرکے رہے، تحریری بھی اور تقریری بھی۔ لیکن اس سلسلے کی کسی تقریر کا کوئی نمونہ نہیں ملتا ہے، کتابیں ملتی ہیں۔ علامہ نے مناظروں سے منطقی انداز سیکھا، حسنِ استدلال کے جوہر پیدا کیے، جو بقول ڈاکٹر صاحب 'بعد میں خطابت میں بہت کام آئے'۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ علامہ کے خطبات کی ایک خوبی علمیت ہے اور یہ ایسی خوبی ہے کہ اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ وہ لکھتے ہیں 'ان کے خطبات، خطبات

سے زیادہ علمی مقالات معلوم ہوتے ہیں۔' وہ علامہ کے خطبات کے طرۂ امتیاز کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'علامہ ہر موضوع پر تقریر نہ کرتے تھے، بلکہ وہ منتخب موضوعات پر خطبات دیتے تھے۔' نودریافت خطبات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں 'نودریافت خطبات شبلی کے موضوعات میں بھی بڑا تنوع، طرفگی اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ان میں تعلیم اور اعلیٰ تعلیم وتربیت اور جبری تعلیم پر بھی خطبات شامل ہیں۔ مغربی علوم وفنون کے ساتھ تصوف وسلوک پر بھی خطبات ہیں۔ ایک بڑا عالمانہ خطبہ ختم نبوت پر بھی شامل ہے۔

بحیثیت مجموعی علامہ شبلی کے گذشتہ مجموعہ خطبات سے اس مجموعہ خطبات کی حیثیت اور افادیت کسی نوع سے کم نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے 'تقدیم' میں تمام پندرہ خطبات کی تفصیل اور پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ آیات واحادیث کی تخریج کے ساتھ شخصیات وواقعات کا حواشی میں ذکر کیا گیا ہے، وضاحتی نوٹس بھی ہیں اور حوالے بھی۔

خطبات کو جمع کر کے شائع کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

'' زیرِ نظر مجموعۂ خطبات میں ان کے چند بہترین خطبات شامل ہیں۔ مطالعہ شبلی کے ایک طالب علم کو یہ خطبات خاصا متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔''

تمام پندرہ خطبات پر بات ممکن نہیں ہے، بس دو خطبات پر بات کی جا سکتی ہے۔ ایک خطبہ 'اعلیٰ تعلیم کی ضرورت' پر ہے۔ علامہ شبلی مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے زبردست حامی تھے، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان انگریزی زبان سیکھیں، اس سلسلے میں علی گڑھ میں تعلیمی تنظیم آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل کانفرنس کے پہلے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے کہا تھا:

'' ہماری قوم کی اخلاقی زندگی بالکل بے ترتیب ہوگئی ہے۔ اب اگر ہم اس

کے اصلاح کی فکر کی طرف مائل نہ ہوں تو ضرور ہے کہ اعلی درجہ کی انگریزی تعلیم حاصل کریں اور وہی سچائی ، آزادی ، دلیری ، بلند ہمتی ، اوقات کی پابندی ، محنت شعاری سیکھیں جو مغربی تعلیم کا ایک لازمی اثر ہے ۔ ایشیائی بگڑے ہوئے اخلاق اسی اعلی تعلیم سے دور ہو سکتے ہیں ، لیکن میری مراد اعلی درجہ کی تعلیم سے ہے نہ کہ ادنی درجہ کی تعلیم ، جس سے ہم نہ ادھر کے رہیں نہ ادھر کے ۔''

علامہ اعلی تعلیم کے حامی تو تھے لیکن انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ گورنمنٹ مذہبی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں نہ لے ، گورنمنٹ کو اس معاملہ میں نہیں پڑنا چاہیے ۔

ایک خطبہ جو 'عورت اور اسلام' کے موضوع پر ہے ، میں فرماتے ہیں :

'' پردہ مانع تعلیم نہیں ہے اور نہ پردہ کوئی خارج از اسلام شے ہے ۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان عورتیں بے پردہ دربار وغیرہ میں شریک ہوتی رہی ہوں ۔ اس کے خلاف کہنا اسلام پر سخت اتہام لگانا ہے ۔ فرض کیجیے کہ عورتوں کو تعلیم دلانے کی ضرورت نہیں ہے ، لیکن آپ مردوں کی تعلیم ہی کے لیے عورتوں کو تعلیم دلائیں ، کیوں کہ بچہ کی تعلیم اس کے وجود میں آنے کے وقت ہی سے شروع ہو جانی چاہیے اور بغیر عورتوں کے تعلیم یافتہ ہونے کے ممکن نہیں ہے ۔''

یہ خطبات ہیں تو گزرے ہوئے کل کے ، لیکن یہ کل کی روشنی میں آج کے مسائل پر روشنی بھی ڈالتے ہیں ، اور ان کے حل کی راہ بھی دکھاتے ہیں ۔ اتنا ہی نہیں ، یہ خطبات بتاتے ہیں کہ ہمارے اکابر تعلیم اور اصلاح کی کیسی شدید فکر رکھتے تھے ۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ فکر غائب ہوگئی ہے ۔

اس کتاب کے حواشی بہت قیمتی ہیں اور تاریخی بھی ۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا

اس کتاب کے لیے میں شکرگزار ہوں۔مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی کا ذکر اگر نہ کیا جائے تو حق تلفی ہوگی کہ انھوں نے پھر انتہائی محنت سے اشاریہ ترتیب دیا ہے، جو اشخاص، کتب و رسائل اور مقامات کی جانکاری دیتا ہے۔

[۱۳]

علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو

ایک لاجواب تحقیقی کتاب

علامہ شبلی نعمانی کی عظمت کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ علمی، ادبی، تعلیمی اور مذہبی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ، اعظم گڑھ میں اسکول کا قیام، دارالمصنّفین کی خدمت، علی گڑھ تحریک کی سرگرمی، ندوۃ العلما کو بلندیوں تک لے جانے کی جدوجہد اور انجمن ترقیِ اردو کو آگے ہی آگے بڑھانے کے لیے سخت محنت، یہ سارے کام علامہ کی عظمت کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی علامہ کی عظمت کو ماننے سے انکار کر دے تو، ہائے کر کے رہ جانے کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ کے ساتھ یہ ہوتا رہا ہے، لیکن اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ آج بات علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو کی کرنی ہے، جو ماہرِ شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی علامہ کی حیات اور خدمات کے سلسلے کی تازہ ترین کتاب ہے۔

شبلی کے سلسلے کی ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کی صحیح تعداد میں نہیں بتا سکوں گا، کیوں کہ ابھی ایک کتاب پڑھ کر مکمل بھی نہیں ہوتی کہ اس سلسلہ کی دوسری کتاب چھپ کر پریس سے آجاتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی حیات کے الگ الگ گوشوں اور مختلف میدانوں میں ان کی خدمات کو تلاش کرنے اور تلاش کر کے انھیں لوگوں تک پہنچانے کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے۔ اور کوئی کسی کام کو مشن اسی وقت بناتا ہے جب اسے اس کام سے لگاؤ یا یوں کہہ لیں کہ محبت

ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب کو علامہ شبلی نعمانی سے شدید قسم کا لگاؤ ہے۔اور یہ اچھا ہی ہے کہ اس لگاؤ کے سبب ہم سب تک علامہ کی زندگی کے وہ گوشے بھی ، جن پر پردے پڑے ہوئے تھے، پہنچ سکے ہیں۔علامہ شبلی سے مجھے بھی لگاؤ ہے، مجھے علی گڑھ اور انجمن ترقی اردو سے بھی لگاؤ ہے ۔علامہ سے اس لیے کہ انھوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور الفاروق جیسی کتابیں لکھیں اور تعلیم کے میدان میں مسلم بچوں کو آگے بڑھنے اور بڑھانے کے لیے عملی قدم اٹھایا۔علی گڑھ سے اس لیے کہ وہاں مسلم یونی ورسٹی ہے اور سرسید احمد خان کی یادیں ہیں اور انجمن ترقیِ اردو سے اس لیے کہ اس نے اردو کی ترقی کے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔

اس کتاب میں علی گڑھ کا بھی تذکرہ ہے کہ انجمن ترقی اردو کی بنیاد سرسید اور ان کے رفقا کی تعلیمی تحریک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دہلی اجلاس میں ، اس کے ادبی شعبہ کے طور پر پڑی تھی ۔علامہ ۵- جنوری ۱۹۰۳ء سے لے کر ۱۹۰۵ء کے اواخر تک انجمن کے سکریٹری رہے، اور بقول ڈاکٹر صاحب 'انجمن کو ایک فعال ادارہ انھیں کی سعی و کوشش نے بنایا۔'اگر یہ دعوی درست ہے (اور درست نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے) تو ایک بڑا سوال یہ اٹھتا ہے کہ علامہ انجمن کو اپنی زندگی کے صرف تین سال ہی کیوں دے سکے؟ ایک دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ انجمن کی جب بات چلتی ہے تو علامہ کے کاموں کا کیوں کوئی ذکر نہیں کیا جاتا یا اگر ذکر کیا بھی جاتا ہے تو سرسری ، ایسا کیوں؟ کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ سوالوں کے جواب دیے ہیں۔

کتاب کے دیباچہ میں اس کتاب کو تحریر کرنے کی وجوہ بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''اس دور میں انجمن ترقی اردو کو جو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی، وہ علامہ شبلی ہی کی بدولت حاصل ہوئی۔یہی داستان اس کتاب میں پہلی بار سپردِ قلم کی گئی

ہے۔''

دیباچے میں علامہ اور انجمن کے بارے میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی لکھی ہوئی تین باتیں بہت ہی اہم ہیں:

۱- انجمن ترقی اردو پر جن اہلِ قلم نے کتابیں یا تحقیقی مقالات سپردِ قلم کیے ہیں، انھوں نے علامہ شبلی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف تو دور کی بات ہے، ان کا مناسب انداز میں ذکر بھی ضروری نہیں سمجھا ہے۔

۲- مقالہ لکھنے والوں نے یہی ستم نہیں کیا کہ علامہ شبلی کی گراں قدر خدمات کا عتراف نہیں کیا یا ان کی کاوشوں کو کم کر کے دکھایا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض اہلِ قلم نے ان پر بے جا اعتراضات بھی وارد کیے۔

۳- اراکین انجمن سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر ۱۹۰۵ء میں (شبلی) مستعفی ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''مذکورہ وجوہ سے یہ ضروری تھا کہ انجمن ترقی اردو کے بنیاد گذار کی حیثیت سے علامہ شبلی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، اس کو تفصیل سے ضبطِ تحریر میں لایا جائے اور دکھایا جائے کہ انجمن کو انجمن بنانے میں ان کا کس قدر نمایاں حصہ ہے اور انھوں نے کون کون سی خدمات انجام دیں اور کن علمی و ادبی سلسلوں کی بنیاد ڈالی، جن پر بعد میں انجمن ترقی اردو کی فلک نما عمارت تعمیر ہوئی۔''

کتاب تین ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب، جو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے 'علامہ شبلی پر ایک نظر' کے عنوان سے ہے۔ یہ علامہ کی مختصر سوانح ہے، اس میں ۱۸۵۷ء یعنی علامہ کی پیدائش سے لے کر ۱۹۱۴ء میں ان کی موت تک کے حالاتِ زندگی مختصراً بیان کر

دیے گئے ہیں، اس سے قارئین کو اس کتاب کو سمجھنے کا پس منظر مل جاتا ہے۔

دوسرا باب 'علامہ شبلی بحیثیت موسس' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں ضمنی عنوانات کے تحت انجمن ترقی اردو کے قیام سے لے کر علامہ شبلی کے استعفا تک کے واقعات پیش کر دیے گئے ہیں۔ گویا یہ کہ اس باب کو انجمن کی ابتدائی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ انجمن کے قیام کے دوران چوں کہ اس کے سکریٹری، علامہ شبلی حیدرآباد میں ریاست کے ملازم تھے، اس لیے انجمن کا مرکز ایک طرح سے حیدرآباد ہی بنا۔ انجمن کے مقاصد علامہ شبلی کے وضع کردہ تھے، بنیادی مقصد معیاری ادب کی تصنیف و تالیف اور ادیبوں کی فلاح تھی، وہ غیر معیاری اور پست ادب کا خاتمہ چاہتے تھے۔ ایک مقصد ملک بھر کے اہلِ قلم اور شائع تصنیفات کی فہرستوں کی تیاری بھی تھا۔ ایک بڑا مقصد ان اہلِ قلم کو دریافت کرنا تھا جو کم توجہی کے شکار تھے یا مسائل کی وجہ سے گوشۂ گم نامی میں پڑے ہوئے تھے۔ قاری کے مسائل کے حل بھی پیشِ نظر تھے۔ ایک بڑا مقصد ایسے افراد کا رجسٹر تیار کرنا تھا جو وہ کتابیں، جن کی انجمن سفارش کرے، خرید لیں۔ جو دستور العمل تیار کیا گیا اس میں اراکینِ انجمن، ارکانِ انتظامی، ارکانِ اعزازی اور ارکانِ اعانتی رکھے گئے، انجمن کو وسعت اور ترقی دینے کے لیے منصوبے بنائے گئے اور جدوجہد کی گئی۔ پہلا کام جو تکمیل کو پہنچا وہ 'الفہرست' تھا، جس میں اس وقت تک کی تصنیف و تالیف ہو چکی کتابوں کی مکمل فہرست دی گئی تھی۔ انگریزی، عربی اور فارسی کی اعلیٰ کتابوں کے ترجموں پر توجہ دی گئی۔ اس باب میں ترجمہ کی گئیں کتابوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے، جیسے کہ عربی زبان سے طبقات الاطبا، المرأۃ المسلمۃ، مقدمہ ابنِ خلدون وغیرہ، اور فارسی سے نامہ دانشوراں و قدیم فارس۔ انگریزی زبان سے عہدِ شبلی میں ترجمہ کے لیے کتابیں منتخب ہوئی تھیں جن میں سے کچھ کے نام ہیں، رہنمایانِ ہند، ایجوکیشن، طبقات الارض اور کتاب الروح۔ تراجم کا معاوضہ دیا جاتا تھا، تراجم کو دیکھنے کے لیے ممتحن موجود

تھے۔ غرض کہ کتابوں کی صحت کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔

علامہ نے تراجم کے علاوہ موضوعات دے کر انجمن کے لیے کتابیں لکھوائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کتابوں کی تفصیل بھی اس کتاب میں دے دی ہے۔ اصطلاحات علمی کی ڈکشنری، شعرا کے تذکرے اور گریمر کی کتابوں کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مرزا لطف علی خاں لطف کے تذکرہ گلشنِ ہند کا ذکر کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اس تذکرہ کی متنی تدوین کا کام علامہ شبلی نے کیا تھا اور یہ اردو میں متنی تدوین کا آغاز تھا، لیکن یہ تذکرہ انجمن سے شائع نہیں ہو سکا، اور پھر جب بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اسے رفاہ عام پریس لاہور سے شائع کروایا تو علامہ شبلی کا مقدمہ نکال کر دوسرا مقدمہ لکھا، ایسا کیوں کیا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متنی تدوین کے آغاز کا سہرا، جو علامہ کے سر بندھنے والا تھا، کسی اور کے سر بندھ گیا۔

اس کتاب میں کتابوں کی اشاعت کے بارے میں علامہ اور انجمن کی ساری کوششیں چوں کہ تفصیل کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں، اس لیے اسے ایک اہم دستاویز کہا جا سکتا ہے۔ اس باب میں ایک دل چسپ تذکرہ بعض ہندو ادیبوں کے اعتراض کا ہے کہ انھیں انجمن سے دور رکھا گیا ہے۔ علامہ نے بحیثیت سکریٹری اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ہندو ادیبوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی کہ سب سے پہلا انعام ایک ہندو ادیب کو اس کی کتاب پیغمبرانِ ہند پر دیا گیا تھا۔

علامہ کے دور میں اربابِ کمال انجمن سے وابستہ ہوئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ کلکتہ سے لسان الصدق نکال رہے تھے، علامہ نے انھیں انجمن کا رکن بنایا اور لسان الصدق کو انجمن ترقی اردو کا آرگن قرار دیا۔ اس کتاب کا اسی لیے انتساب مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ہے۔

انجمن کے لیے علامہ شبلی نعمانی کی جدوجہد ۱۹۰۵ء میں اس وقت ختم ہوگئی جب

انھوں نے استعفا دے دیا اور مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی نے ان کی خالی جگہ سنبھال لی۔شبلی کیوں مستعفی ہوئے،اس پر ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ 'لوگوں نے شبلی کی شخصیت کو مجروح کرنے میں نہ کوئی کمی چھوڑی،اور نہ انجمن کے لیے شبلی کی خدمات کا کوئی اعتراف ہی کیا۔' یہ ہے ہماری قوم کا اپنے اکابر سے کیا جانے والا سلوک۔

کتاب کا تیسرا باب داستان انجمن ترقی اردو علامہ شبلی کے قلم سے ہے۔اس باب میں علامہ شبلی نے انجمن ترقی اردو کی جو روداد یں،رپورٹیں،اشتہارات،اعلانات اور خطوط تحریر کیے تھے،انھیں اس طرح جمع کر دیا گیا ہے کہ ساری تفصیلات،انجمن کے آغاز و ارتقا اور دورِ تاسیس اور علامہ شبلی کی موسسانہ حیثیت اور جدوجہد مرتب صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔کل تحریریں ۱۹- ہیں۔ یہ قیمتی تحریریں ہیں، انھیں بڑی کوشش سے ڈاکٹر صاحب نے جمع کیا ہے،اور محنت سے حواشی لکھے ہیں۔اس کتاب کو لکھنے کے لیے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے یقیناً بڑی محنت کی ہوگی،لیکن محنت کے نتیجے میں ایک لاجواب تحقیقی کتاب تیار ہوگئی ہے۔اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانا چاہیے۔

اسے مغربی بنگال اردو اکادمی نے سفید کاغذ پر خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔۲۳۲-صفحات ہیں اور قیمت محض ۱۴۰-روپے ہے۔

[۱۴]

علامہ شبلی کے اردو و فارسی مکتوبات پر

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دو قیمتی کتابیں

مکتوبات شبلی

[۱]

لوگ کیوں ادیبوں اور دانش وروں کے خطوط جمع کرتے ہیں؟ کیا ان خطوں کو پڑھ کر کسی کا کوئی بھلا بھی ہوتا ہے؟ کیا ایسے خطوط ہمارے کسی کام میں آسکتے ہیں؟

جب میں ابتدائی جماعت کا طالب علم تھا، اور میرے اساتذہ کہتے کہ ادیبوں اور دانش وروں کے خط پڑھا کرو، تب یہ سوال ذہن کو چکرا دیتے۔ لیکن اب تعلیم سے فراغت کے ایک لمبے عرصے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے، یا یوں کہہ لیں کہ سمجھ میں آرہی ہے کہ ادیبوں، دانش وروں، اکابر علما اور بڑوں کے خطوط کیوں پڑھنا ضروری ہیں اور کسی کی ذہنی تربیت اور علم و شعور کی بالیدگی میں یہ کس قدر مفید ثابت ہوسکتے ہیں یا ہوتے ہیں، اور کیسے یہ قدیم خطوط تاریخ کی ان پرتوں کو سامنے لاتے یا لے آتے ہیں، جو یا تو چھپی ہوئی ہیں یا دانستہ چھپائی جارہی ہیں۔ خطوط کا ذکر یوں نکل آیا کہ پچھلے دنوں اپنے دور کے ایک بڑے دانش ور علامہ شبلی نعمانی کے خطوط کی دو کتابیں زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔ ایک کا نام ہے: مکتوباتِ شبلی [اضافہ شدہ ایڈیشن] اور دوسری کتاب کا نام ہے: علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ۔ ان کتابوں کو پڑھ کر یہ احساس ہوا ہے کہ بزرگوں کے خطوط کا پڑھنا

رائیگاں نہیں جاتا، پڑھنے والے کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں ہی کتابوں کو ہم سب کے سامنے پیش کرنے کا کام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کیا ہے، جو پہلے بھی علامہ شبلی کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر قیمتی کتابیں دے چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب شبلی پر اپنے کاموں کے لیے دنیا بھر میں معروف ہیں اور انھیں بجا طور پر ماہرِ شبلیات مانا جاتا ہے۔

پہلی کتاب 'مکتوباتِ شبلی' [اضافہ شدہ ایڈیشن] دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ ۳۸۴-صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۴۰۰-روپے ہے۔ اس میں علامہ شبلی نعمانی کے وہ خطوط شامل ہیں جو مکاتیبِ شبلی اور خطوطِ شبلی میں شامل نہیں ہیں اور جو بعد میں دریافت ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ ۲۰۱۲ء میں مکتوباتِ شبلی کا پہلا ایڈیشن ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے شائع ہوا تھا، اس میں ۲۱۰ خطوط شامل تھے۔ اس کی اشاعت کے بعد علامہ شبلی نعمانی کے مزید ۱۰۷-خطوط دریافت ہوئے ہیں، وہ سب خطوط اس اضافہ شدہ ایڈیشن میں شامل کر لیے گیے ہیں۔ دیباچہ میں اس ایڈیشن کی اشاعت کے محرکات اور وجوہات پر ڈاکٹر صاحب نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ 'علامہ شبلی کی حیات ہی میں ان کے مکاتیب کی جمع و تدوین کا کام علامہ کے ماموں زاد بھائی شیخ رشید الدین انصاری نے شروع کر دیا تھا۔ اس وقت علامہ شبلی نے یہ کہہ کر انہیں روکا تھا کہ میرے خطوط بدمزہ ہوتے ہیں، انھیں جمع کرتے ہو۔ مجھے خود مزہ نہیں آتا تو اوروں کو کیا مزہ آئے گا۔' دیباچہ میں مکتوباتِ شبلی کی ایک مختصر تاریخ آ گئی ہے۔ علامہ کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے دو جلدوں میں مکتوبات جمع کرنے کا کام شروع کیا تھا جو کسی سبب تکمیل کو نہیں پہنچ پایا، لیکن علامہ کی وفات کے بعد جب دارالمصنّفین میں ماہنامہ معارف اور کتابوں کی طبع و اشاعت کا انتظام ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی نے مکاتیب کو دو حصوں میں شائع کیا، ان میں علامہ شبلی کے کل ۷۷۹-خطوط شامل ہیں۔

مکاتیبِ شبلی کی اشاعت کے بعد خطوطِ شبلی شائع ہوئی جس میں کل ۱۰۲-خطوط ہیں۔اس طرح علامہ کے پائے جانے والے خطوط کی تعداد ۸۸۱- ہوگئی۔خطوط اس کے بعد بھی ملتے رہے، بہت سے خطوط ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے بھی ڈھونڈ نکالے، ان سبھی خطوط کو اس نئی کتاب میں شامل کرلیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''مکاتیبِ شبلی کا یہ مجموعہ انھی نو دریافت اور غیر مدون خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس میں علامہ شبلی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کل ۱۳۱۷-خطوط شامل ہیں۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نعمانی نے خطوط کے علاوہ اخبارات و رسائل کے مدیروں کے نام علمی و ادبی اور معلوماتی مراسلات لکھے، جو اپنے عہد میں خاصے اہم تھے۔ اور ان کی حیثیت مضامین سے کم نہ تھی۔۲۰۱۶ء میں راقم نے ان کا ایک مجموعہ مراسلاتِ شبلی کے نام سے مرتب کیا تھا، جسے دارالمصنّفین نے شبلی صدی کے موقع پر بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ اس میں ۲۶- مراسلات شامل ہیں، جس میں ۲۴-مراسلات نو دریافت ہیں۔ان کی شمولیت سے مکاتیب شبلی کی مجموعی تعداد ۱۲۲۲- ہوگئی ہے۔''

علامہ کے یہ نو دریافت خطوط کیوں اہم ہیں، اس سوال کا جواب بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنے دیباچہ میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں خطوطِ شبلی بنام شروانی' ایک سو ساٹھ خطوط کا مجموعہ ہے۔علاوہ ازیں چار اور خطوط شبلی بنام شروانی رسائل سے ہاتھ آ گئے ہیں۔ ان نو دریافت خطوط میں اختلافاتِ ندوہ کے حوالہ سے ندوہ اور متعلقین ندوہ کا ایک نیا منظر نامہ سامنے آتا ہے۔ان خطوط میں علامہ شبلی کی شخصیت اور سوانح، ندوہ کی تاریخی جدوجہد اور علامہ شبلی کی متنوع خدمات کا ایک نیا اور جامع مرقع آ گیا ہے۔اور علامہ شبلی کے اندرون خانہ حالات بھی ان خطوط سے سامنے آئے ہیں۔ان سے علامہ کی قومی و ملی زندگی

کے کچھ نئے گوشے بھی اجاگر ہوئے ہیں۔ اور ان خطوط سے اردو کے مکتوباتی ادب میں علامہ شبلی نعمانی کے قد کا بھی تعین ممکن ہوا ہے۔ ایک بات جو ان خطوط کو ادبی شاہ کار کا درجہ دیتی ہے، وہ ان خطوط کی سہل زبان ہے۔ مرزا غالب کی طرح علامہ کے خطوط پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ جیسے دو افراد میں بات چیت ہو رہی ہے۔ لیکن بات چیت سلجھی ہوئی، سنجیدہ، معیاری، علم کا دریا بہاتی ہوئی، ادب، تاریخ اور سیاست و مذہب اور فکر و فلسفہ پر نئے نئے انداز سے روشنی ڈالتی ہوئی۔ چند خطوط سے اقتباسات پیش ہیں، انھیں پڑھ کر قارئین خود اندازہ کر لیں گے کہ علامہ کے خط کس طرز کے ہوتے تھے۔ سر سید احمد خان کے نام عدن سے بھیجے گئے ایک خط کی دل چسپ تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

> ''قبلہ ام تسلیم! بمبئی سے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ یہ خط عدن سے لکھ رہا ہوں۔ جہاز کی حرکت اور دورانِ سر کی وجہ سے مفصل حالات کے لکھنے سے معذوری ہے۔ یہ خط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ دو دن تک سخت تکلیف رہی۔ میں نیم مردہ پڑا رہا۔ اب اچھا ہوں، لیکن جہاز کے تعفن اور جنبش سے کسی وقت طبیعت بحال نہیں ہوتی۔ کھانا نہایت عمدہ ملتا ہے۔ اٹالین ڈش خوش مزہ ہوتے ہیں۔ کیا لکھوں لکھا نہیں جاتا۔''

اس خط کی زبان سادہ مگر پر اثر ہے، کم لفظوں اور مختصر جملوں میں بڑی باتیں کہہ دی گئی ہیں۔ یہ شبلی کی تحریر کا کمال ہے۔ ایک خط مصری اہلِ قلم جرجی زیدان کے نام ہے، اصل خط عربی زبان میں ہے، اس کا ترجمہ اردو میں شامل ہے۔ خط میں جرجی زیدان کی کتاب تاریخ تمدنِ اسلامی کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شبلی اس کی خامی بھی سامنے رکھتے ہیں:

> اس کتاب کے بارے میں مجھے ایک شکایت ہے، جسے زبان پر نہ لانا میرے لیے ممکن نہیں۔ وہ شکایت یہ ہے کہ اس کتاب میں آپ نے یہ طریقہ

اختیار کیا ہے کہ آپ نے کتاب کے شروع میں کتاب کے ماخذ کا اجمالی طور پر تذکرہ کر دیا ہے۔ موقع ومحل پر ان ماخذ کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا ہے۔ اس طرح حوالوں کو درج کرنے میں کافی خرابیاں ہیں۔''

خط میں آگے علامہ نے خرابیوں کا علمی انداز میں ذکر کیا ہے۔

مولانا محمد علی مونگیری کو بھیجے اپنے ایک خط میں شیعہ سنی معاملے پر لکھتے ہیں:

''شیعہ وسنی کے اتفاق کے لیے صحیح بخاری کے رواۃ پر نظر ڈالیے۔ صحیح مسلم کی نسبت علما کا قول ہے ملئانِ من شیعہ۔ تدریب الراوی میں دونوں کتابوں کے رواۃِ مبتدعین کی فہرست دی ہے، جن میں قدری، جبری سب ہی ہیں۔ جب امام بخاری ان سے روایت کرتے تھے تو ہم لوگوں کو کیا تامل ہونا چاہیے۔ والتسلیم''

مولانا ابوالکلام آزاد کو ایک خط میں تراجم کے بارے میں اپنا موقف یوں پیش کرتے ہیں:

مکرمی! آپ کا دل چسپ والا نامہ پہنچا۔ ترجمہ کا میں مخالف نہیں ہوں، گذشتہ تعلیم میں سرسید نے مجھ سے وہ عبارت بہ جبر لکھوا دی تھی۔ میں نے انکار کیا تھا لیکن ان کا اصرار غالب آیا۔ میں تو ترجمہ کو اصل علمی خدمت سمجھتا ہوں، بلکہ ان شاء اللہ اس کا ایک باضابطہ سررشتہ قائم کروں گا۔''

یہ چند اقتباسات بتاتے ہیں کہ علامہ شبلی نعمانی کے خطوط کتنے متنوع ہوتے تھے اور کیسے کیسے معاملات پر ان میں باتیں ہوتی تھیں، ایسی باتیں جو آج بھی ہمارے لیے مفید ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ خطوط میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کا مختصر تذکرہ تو شاملِ کتاب ہے ہی، علامہ شبلی

سے ان کے تعلقات کی نوعیت بھی بیان کی گئی ہے ۔ جہاں سے خطوط نقل کیے ہیں، ان کے حوالے دے دیے ہیں اور جہاں یہ شائع ہوئے ہیں، ان کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ جن اشخاص نے غیر مطبوعہ خطوط فراہم کیے ہیں، ان کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔مکتوباتِ شبلی طبع اول کی غلطیاں اس اشاعت میں درست کر دی گئی ہیں ۔ کتاب کا وقیع پیش لفظ ڈاکٹر فخر الاسلام جوائنٹ سکریٹری دارالمصنّفین کا لکھا ہوا ہے۔انھوں نے سچ ہی لکھا ہے کہ ’ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے قیمتی حواشی لکھے ہیں۔‘ تعلیقات و حواشی کے علاوہ کتاب میں کتابیات اور اشاریہ بھی شامل ہے۔اشاریہ مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے ہمیشہ کی طرح بڑی ہی عرق ریزی سے تیار کیا ہے ۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے: اشخاص، کتب اور مقامات۔

اس کتاب کی شبلی نوازوں کو بھی اور علم کے طلب گاروں کو بھی قدر کرنی چاہیے۔ چلتے چلتے اس جانب توجہ دلانا ضروری ہے کہ بعض جگہ پروف کی غلطیاں آ گئی ہیں، مثلا ایک جگہ لکھنا تھا ’آغاز‘ وہاں لکھ گیا ہے، ’آغام‘، ’قائم‘ کو ’قایم‘ لکھا گیا ہے، ’ٹائپ‘ ٹایپ ہو گیا ہے وغیرہ۔اغلاط معمولی ہیں، نظر انداز بھی کی جا سکتی ہیں، لیکن امید یہی ہے کہ انھیں آ گے درست کر لیا جائے گا۔

[۱۵]

علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ

[۲]

دوسری کتاب 'علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ' ہے۔ اس میں علامہ شبلی کے فارسی خطوط اردو ترجمے کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ ۱۲۸-صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۱۵۰- روپے ہے۔ اسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی نے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ میں بجا شکوہ کیا ہے کہ

> ''فارسی خطوط کا جو سرمایہ محفوظ رہ گیا ہے، وہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں۔ ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان کے فارسی مکتوبات کا مطالعہ و تجزیہ اب تک پیش نہیں کیا جا سکا ہے۔ فارسی مکتوب نگاروں میں ان کا نام اور ان کے خطوط کا ذکر نہ آنے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''ناچیز فارسی زبان وادب کا طالب علم ہے اور نہ واقفیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس میدان میں قدم رکھنے کا بھی حق نہیں، لیکن بدرجہ مجبوری یہ کام کرنا پڑا ہے، اس لیے کہ گذشتہ ایک صدی سے علامہ شبلی کے فارسی خطوط سے صرفِ نظر کیا جاتا رہا ہے۔ اور میری معلومات کے مطابق ان خطوط پر ایک بھی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔''

اس کتاب میں شامل اپنے مضمون 'علامہ شبلی کے فارسی خطوط' میں ڈاکٹر صاحب نے ایک دل چسپ بات لکھی ہے کہ ایم اے او کالج علی گڑھ میں پروفیسری کرنے سے قبل

علامہ نے جتنے بھی خطوط لکھے، وہ فارسی زبان میں تھے، کالج میں آنے کے بعد فارسی کی جگہ اردو زبان نے لے لی۔ علامہ شبلی فارسی نثر نگاری میں غالب سے متاثر تھے، ان کے خط کی زبان رواں دواں اور بامحاورہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول 'کئی اہم سوانحی پہلوؤں کی ان سے وضاحت بھی ہوتی ہے۔'

مرتب نے تعلیقات و حواشی پر کڑی محنت کی ہے، چوں کہ یہ خطوط شبلی کے علی گڑھ جانے سے پہلے کے احباب اور بزرگوں کے نام ہیں اور بیشتر علامہ کے خانوادے کے افراد ہیں، اس لیے ان کے بارے میں معلومات کا حصول آسان نہیں تھا، مگر ڈاکٹر صاحب نے حتی الامکان کوشش کر کے جو کچھ پایا، وہ پیش کر دیا ہے۔ کتابیات کے علاوہ اس کتاب میں بھی اشاریہ ہے اور مولانا محمد عرفات اعظمی کا ہی بنایا ہوا ہے، اسی انداز میں، یعنی اشخاص، مقامات اور کتب و رسائل کی ترتیب کے ساتھ۔ فارسی خطوط کے تراجم ڈاکٹر صاحب نے نہیں کیے، بلکہ یہ تراجم صدر شعبہ اردو یونی ورسٹی آف سرگودھا، ڈاکٹر خالد ندیم کے کیے ہوئے ہیں اور کیا ہی لاجواب تراجم ہیں۔ ابتدائی دور کے اپنے احباب میں سے ایک مولوی محمد سمیع کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ایک بے مایہ شخص حدیث کے چند الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے اور ابرو پر بل ڈال کر دعوی کرتا ہے کہ وہ فنِ حدیث میں محقق کے درجے پر فائز ہے۔ حیف !ان لوگوں پر جو خوابِ غفلت میں مبتلا ہیں ۔ یہ خود جھوٹے ہیں اور جھوٹوں سے الجھتے ہیں۔ اب اس معاملے سے قلم روکتا ہوں ، داستان طولانی ہے ، لیکن رات مختصر۔

اس کتاب کا انتساب ڈاکٹر سید مسعود حسن (خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ) کے نام ہے۔ مکتوب نگاری سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ دونوں ہی کتابیں قیمتی ہیں۔

---

[۱۶]

افاداتِ شبلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی سلسلہ شبلیات کی ایک اہم کتاب 'افاداتِ شبلی' ہے۔ یہ کتاب سالِ رواں میں اپریل کے مہینے میں شائع ہوئی تھی، لیکن اس پر لکھنے کی نوبت اب آئی ہے۔ کتاب کی تقریظ میں پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''یہ کتاب بلاشبہ بڑے قیمتی افاداتِ شبلی پر مشتمل ہے۔ مطالعات شبلی میں اس سے یقینی طور پر مدد ملے گی۔''

اس کتاب میں کیا ہے، اس سوال کا جواب دیباچہ کے ان جملوں سے بخوبی ہو جاتا ہے:

> ''۲۰۱۷ء میں نوادراتِ شبلی کی اشاعت کے بعد بھی علامہ شبلی نعمانی کی تحریروں، تقریروں اور خطوط و خطبات کے دریافت ہونے کا سلسلہ ہنوز قائم ہے، افاداتِ شبلی انھی نوادر کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں شبلی کے متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نو دریافت خطوط شامل ہیں جن میں ایک غیر مطبوعہ خط امیر مینائی کے نام ہے۔''

کتاب کا پہلا مضمون 'بیانِ شبلی: چند نوادر' بہت قیمتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسے اس 'کتاب کی جان ہے' کہتے ہیں۔ اس مضمون میں بمبئی میں لکچر کے عنوان سے علامہ شبلی کی اشاعتِ اسلام کے موضوع پر ایک تقریر کی اخبار پیسہ میں شائع خبر نقل کی گئی ہے۔ اس

لکچر میں چھ سو افراد شریک تھے اور تقریر سوا گھنٹہ چلی تھی۔ یہ کتاب علامہ کی نادر تحریروں خطوط اور نظموں وغزلوں تک ہم پڑھنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے، جیسے نظم خدمتِ کعبہ۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

خادمِ کعبہ وہ ہے ، جس کو ہے اللہ پیارا
عزتِ کعبہ ہے ، اللہ کی عزت گویا

یقیناً پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے درست ہی کہا ہے 'یہ کتاب مطالعاتِ شبلی میں مدد دے گی۔'

کتاب نئی دہلی کے معروف پبلشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس نے شائع کی ہے۔ صفحات ۲۲۲- ہیں اور قیمت ۳۵۰- روپے ہے۔ کتاب کا اشاریہ مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے محنت سے مرتب کیا ہے۔ انتساب حافظ عمیر الصدیق ندوی کے نام ہے۔

[۱۷]

حرف واثر

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہیں تو ماہرِ شبلیات،اور علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر لکھنا انھیں سب سے زیادہ پسند بھی ہے،لیکن اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ ان کا قلم دیگر ادبی موضوعات پر نہیں چلتا ہے۔ وہ ادب کے موضوع پر لکھتے رہے ہیں اور آج بھی لکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب کوئی چار مہینہ پہلے 'حرف واثر' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ ان کے علمی، ادبی، تنقیدی، تحقیقی و تاریخی مضامین کا ساتواں مجموعہ ہے۔ اس میں کل ۲۵- مضامین شامل ہیں ۔ ان مضامین کی اہم بات ان کا تنوع ہے ۔ اعظمی صاحب دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''ان میں اردو زبان و ادب کے نام ور ادیب و نقاد، شاعر اور محققین و مصنّفین اوران کی کاوشوں کا ذکر قدرے تفصیل سے ہے۔''

مضامین کا آغاز سر سید احمد خان سے ہوا ہے اور اختتام شمس الرحمٰن فاروقی پر کیا گیا ہے۔ مزید جن اہلِ علم شخصیات کی حیات و خدمات کے الگ الگ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہ ہیں مولانا سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، مولانا عبدالسلام ندوی، اقبال احمد خان سہیل، محبوب الرحمٰن کلیم، شاہ افضال اللہ قادری، حافظ ڈاکٹر محمد مرسی، ڈاکٹر آدم شیخ، محمد حامد سراج، ڈاکٹر ابرار اعظمی، ڈاکٹر مختار شمیم، پروفیسر حنیف نقوی، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، انور اعظمی، پروفیسر احمد سعید، محمد فاروق اعظمی اور ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی۔ ایک

اہم مضمون اعظم گڑھ کے گم نام شعرا پر اور ایک مضمون اعظم گڑھ کی اردو صحافت وقدیم مطابع پر ہے۔ معارف کی ادبی خدمات پر ایک وقیع مضمون ہے۔ یہ تینوں ہی تحقیقی مضامین ہیں۔ ایک بڑی ہی محنت سے لکھا گیا مضمون ہے 'اسلامیات کے چند اہم اردو رسائل وجراید کے اشاریے'۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے 'میری علمی ومطالعاتی زندگی' کے عنوان سے اپنی حیات کے ایک قیمتی گوشے کو عیاں کیا ہے۔ یہ مضامین خاکے نہیں ہیں، لیکن ان میں سے کئی مضامین کو پڑھتے ہوئے خاکے پڑھنے کا بھی لطف آتا ہے۔

یہ کتاب ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے، صفحات ۲۶۴ ہیں اور قیمت ۴۵۰ روپیہ ہے۔ کتاب کا انتساب 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' ہے۔

[۱۸]

شبلی کے مکتوب الیہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی نعمانی کے مکتوبات کی کھوج کا کام بھی کیا ہے اور ان پر تحقیق بھی کی ہے، جس کے نتیجے میں 'مکتوباتِ شبلی'، 'علامہ شبلی کے نام اہلِ علم کے خطوط'، 'محبت نامے'، 'مکتوباتِ شبلی' [اضافہ شدہ ایڈیشن] اور 'علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ' جیسی اہم کتابیں باذوق قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی ہیں۔ شبلی کے مکتوبات کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی تازہ کتاب 'شبلی کے مکتوب الیہ' کے نام سے آئی ہے۔ اس کتاب کا خیال اعظمی صاحب کو مکتوباتِ شبلی کی جمع و تدوین کے دوران آیا تھا۔ وہ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> [انھوں نے سوچا کہ] ''مکتوب الیہ کا تعارف و تذکرہ بھی مرتب کیا جانا چاہیے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ علامہ شبلی کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کس پایہ کے اہلِ علم اور صاحبِ کمال تھے۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان کس قسم کے روابط اور تعلقات تھے۔ کن وجوہ و اسباب سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہوا اور وہ کون سے مسائل تھے جو ان کی مکاتبت میں زیرِ بحث آئے۔ اور ایک قاری کے لیے وہ کس درجہ مفید ہیں؟''

کتاب میں ۱۳۰-شخصیات کے نام، ان کے کوائف کے ساتھ دیے گئے ہیں، جنھیں علامہ شبلی نے خط لکھے ہیں، ان میں سرسید احمد خان سرِفہرست ہیں۔ سرسید کے نام

شبلی کے اب تک کے دریافت خطوط کی تعداد ۱۶- ہے، اور سرسید کے شبلی کو لکھے کل تین خط دستیاب ہیں، وہ بھی رقعہ ہیں۔ جنھیں خط لکھے گئے ان میں مولانا محمد علی جوہر، حالی، اکبرالہ آبادی، نوبت رائے نظر، عطیہ فیضی اور آغا خان وغیرہ شامل تھے۔

کتاب ادبی دائرہ، اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے، صفحات ۲۰۸-اور قیمت ۳۵۰-روپے ہے۔ اس کتاب کو مکتوباتی ادب میں ایک اہم اضافہ کہا جا سکتا ہے۔

[۱۹]

اثراتِ شبلی

علامہ شبلی پر کتابیں یا انسائیکلو پیڈیا

شبلی شناس ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دو جلدوں پر مشتمل نئی کتاب 'اثراتِ شبلی' کو اگر علامہ شبلی نعمانی اور ان سے تعلق رکھنے والی شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ شخصیات میں مداحین ہی نہیں وہ بھی شامل ہیں، جنھیں ایک زمانہ شبلی کے دشمنوں کے روپ میں دیکھتا اور جانتا ہے۔ کتاب ملنے سے پہلے کتاب دیکھی تھی۔ ہوا یہ کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی علاج کے سلسلے میں ممبئی آئے تھے، ان سے ملاقاتیں رہیں، کتاب کا دیدار کیا، سرسری طور پر کتاب دیکھی بھی اور ڈاکٹر صاحب سے کہا بھی کہ یہ کام تو کسی انسائیکلو پیڈیا جیسا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا جواب تھا کہ یہ کام واقعی مشکل تھا۔ کتنا مشکل؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کام کرنے کے لیے مجموعی طور پر دونوں جلدوں کے لیے بالترتیب ۱۸۷- اور ۱۸۲- کتابوں کو اور ۸- اور ۱۵- رسالوں کو کھنگالنا پڑا ہے۔ یہ ایک مشکل کام تھا، محنت طلب، لیکن اللہ جو کام کروانا چاہتا ہے وہ کروا ہی لیتا ہے۔

یہ کتاب ہے کیا، یا اس کا موضوع کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دونوں ہی جلدوں کے (دونوں جلدوں کی شخصیات کے زمانہ میں فرق ہے) دیباچوں میں ڈاکٹر صاحب نے دے دیا ہے۔ پہلی جلد کے دیباچہ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کتاب دراصل علامہ شبلی کے ان اثرات کی داستان ہے جن کا ذکر

مصنّفین کے نوک قلم پر آ گیا ہے۔ ابھی ان افکار و خیالات اور اثرات شبلی کا مطالعہ بہر حال باقی ہے جن کا تعلق فکر و نظر کے مستعار لینے سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ اثرات سے ڈاکٹر صاحب کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب بھی انھوں نے دیا ہے:

مختلف کتب و رسائل اور مختلف علوم و فنون کی کتب کی ترتیب و تدوین اور اشاعت میں انھوں نے اہلِ قلم کے تعاون کے ذریعہ تصنیف و تالیف کے فن کے فروغ میں عدیم النظیر کارنامہ انجام دیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے فیض تربیت سے ملک میں متعدد اہلِ علم، ادیب و انشا پرداز اور محقق و مصنف کے بلند رتبے پر فائز ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور کا آسمانِ علم و ادب علامہ مرحوم کی بدولت منور ہے۔ علامہ مرحوم کی اس منفرد کاوش کا ذکر و اعتراف بے شمار اہلِ قلم نے اپنی کتابوں، دیباچوں، مقدموں اور مکاتیب میں کیا ہے۔ راقم کو 'شبلی: خودنوشتوں میں' کے زمانۂ تصنیف میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اثراتِ شبلی کا ایک نیا مرقع سامنے آ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں اس نوع کے نہایت اہم واقعات آ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سی باتیں ضخیم حیاتِ شبلی میں اضافہ ہیں۔''

مطلب یہ کہ شبلی سے جن ادیبوں نے تعاون لیا، یا ان کے کام سے متاثر ہوئے یا ان کے کام کی تحسین کی اور اپنی کتابوں، دیباچوں، مقدموں و مکاتیب میں اس کا ذکر کیا، اسے اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔

پہلی جلد علامہ کی وفات (۱۸- نومبر ۱۹۱۴ء) تک کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس میں وہ شخصیات شامل ہیں جنھیں علامہ سے راست یا ان کی حیات میں رابطے کا یا

اثر قبول کرنے کا موقع ملا۔ دوسری جلد میں بعد کی شخصیات ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلی جلد کے دیباچہ میں کئی اہم شخصیات کے نام دیے ہیں جنھوں نے علامہ سے تعاون لیا۔ مثلاً علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق استاذ فلسفہ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ، جنھوں نے اپنی کتاب 'پریچنگ آف اسلام' لکھتے ہوئے علامہ شبلی سے اسلامی علوم وفنون کے بارے میں واقفیت حاصل کی، مولوی عبدالرزاق کان پوری، جنھوں نے 'البرامکہ' لکھتے ہوئے علامہ کی مدد لی، مولوی سید علی امجدی اشہری، جنھوں نے میر انیس کی سوانح لکھتے ہوئے علامہ سے استفادہ کیا، نیز مولانا سید عبدالحیٔ حسنی اور دیگر۔

پہلی جلد میں کل ۱۰۵-شخصیات کے مقدموں، دیباچوں اور کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے، جو اندراجات جائزہ میں شامل کیے گئے ہیں ان کا تعلق علم و ادب کے مختلف موضوعات سے ہے، اور جن اہلِ قلم کے اقتباسات شامل ہیں، ان کا اگر تفصیلی ممکن نہیں ہوسکا تو مختصراً سہی، مگر تعارف کرادیا گیا ہے، ساتھ ہی ان کی کتابوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

پہلی جلد میں جن ۱۰۵-شخصیات کا تذکرہ اور تعارف اور اقتباسات شامل ہیں، ان میں چند نام ملاحظہ کریں: سرسید احمد خان، نواب سلطان جہاں بیگم، مولوی عبدالحلیم شرر، جرجی زیدان، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ، منشی محمد امین زبیری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، پنڈت منوہر لال زتشی، بیگم مہدی افادی، علامہ سر محمد اقبال، محمود عباسی، مولانا ابوالکلام آزاد، میمونہ سلطان شاہ بانو، مولانا عبدالماجد دریابادی، مجنوں گورکھ پوری اور رئیس احمد جعفری وغیرہ۔ اس فہرست میں منشی امین زبیری اور بابائے اردو مولوی عبدالحق، یہ دو نام ایسے ہیں جو علامہ سے معاندانہ رویہ رکھتے تھے یا ایسا الزام ہے۔ ان کے وہ دیباچے یا مقدمے جن میں علامہ کی تنقید یا تنقیص کا پہلو ہے، اس کتاب میں شامل ہیں، انھیں پڑھ کر اور ان کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یا تبصرے پڑھ کر علامہ کی زندگی کے بھی

اوران افراد کی زندگی کے بھی کئی چھپے پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ایک مثال ملاحظہ کریں:

''امین زبیری نے 'خطوط شبلی' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی جس کے دو ایڈیشن بالترتیب ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئے۔ پہلے ایڈیشن کے دیباچہ کے مقابلے دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ تفصیلی ہے، اس میں ایسی باتیں شامل کر لی گئی ہیں جو علامہ کی شخصیت پر دھبہ لگاتی ہیں، جیسے کہ علامہ کو جذباتی قرار دینا، ان کے خطوط میں جذباتیت تلاش کرنا، خواتین کے بارے میں ان کی سوچ، کسی لڑکی کی تربیت کرنے، متجرد کی زندگی اور عقدِ ثانی کی خواہش کا ذکر وغیرہ۔''

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''یہ سب دراصل تسلسل کے ساتھ اس لیے ذکر کیے جا رہے ہیں کہ خطوط شبلی کے ذکر میں آئندہ فسانہ بنانے میں نقش ونگار کا کام دیں۔''

مولوی عبدالحق کے اقتباسات کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ان لفظوں کو نشان زد کرتے ہیں جو علامہ کی تضحیک میں لکھے گئے ہیں، مثلا علامہ کو ہر جگہ ''مولوی'' اور حالی کو ''مولانا'' لکھنا، علامہ کے مذاقِ سلیم پر شبہ کرنا اور پھر اسے عامیانہ کہنا۔ بقول ڈاکٹر صاحب 'پورا اقتباس علامہ شبلی کی ہجو ملیح ہے۔'

کتاب کی دوسری جلد ۱۹۱۴ء سے عہدِ حاضر تک کی ان شخصیات کے احوال اور ان کی تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ہے، جو کسی نہ کسی طرح علامہ سے متاثر ہوئے ہیں۔اس جلد میں جن ۱۰۴۔شخصیات کا ذکر ہے، ان میں سے اکثر علامہ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور چند ایسی شخصیات ہیں جو علامہ کی حیات میں گود میں رہے ہوں گے۔اس فہرست میں اہم نام ہیں: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، عبدالرزاق قریشی، علی جواد زیدی، مولانا مجیب اللہ ندوی، رشید حسن خان، مولانا سید محمد رابع ندوی، شمس الرحمٰن

فاروقی، پروفیسر عبدالستار دلوی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، شمیم طارق اور ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر وغیرہ۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا کہنا ہے کہ یہ جلد 'اپنی نوعیت اور افادیت کے لحاظ سے حصہ اول سے کم نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس جلد میں علامہ کی وفات کے بعد دبستانِ شبلی نے پوری قوت کے ساتھ ملت کی ذہنی تاریخ میں جو کردار ادا کیا اور آج بھی ادا کر رہا ہے، اس کی ایک تصویر حوالوں کے ساتھ، سامنے آ گئی ہے۔'

اس کتاب کو انسائیکلو پیڈیا کہنے کی سب سے بڑی وجہ ۲۰۹-اہم شخصیات اور ان کی کتابوں کا تعارف ہے۔ یہ ایک اہم کارنامہ ہے اور یقیناً حوالہ جات کے لیے یہ دونوں جلدیں ریسرچ اسکالروں کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔

---

[۲۰]

شبلی اقتباسات کی روشنی میں

اس کتاب کے ساتھ میں مزید ایک کتاب 'شبلی اقتباسات کی روشنی میں' کا تعارف ضروری سمجھتا ہوں، کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب بھی شبلی کے 'اثرات' سامنے لاتی ہے۔ یہ کتاب ۱۵۰-اہلِ قلم کے کوئی دوسوا اقتباسات پر مشتمل ہے اور ان اقتباسات کا انتخاب کرتے ہوئے بقول ڈاکٹر صاحب اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ یہ 'اپنے موضوع پر لکھی گئی تحریروں میں منفرد اور ممتاز ہوں۔ یا اس سے شبلی کی شخصیت کے کسی خاص پہلو کی وضاحت یا صراحت ہوتی ہو۔ یا وہ ادب وانشا کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہوں'۔ ان اصولوں کی بنا پر یہ انتخاب علامہ شبلی سے متعلق بہترین اور خوب صورت تحریروں کا مجموعۂ عطر ہو گیا ہے۔ اس انتخاب میں جو اقتباسات شامل ہیں، ان میں علامہ شبلی کی کتابوں، خدمات و شخصیت اور ان کے اوصاف و کمالات کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں کا اجمالاً ہی سہی ذکر آ گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اقتباس پادری جان ملکم کا الندوہ کے سلسلے میں پیش ہے:

> ''اب علامہ ممدوح ایک ایسے بڑے کام میں مشغول ہیں کہ اگر وہ مکمل ہو گیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ مشرق میں ایک نیا دور مسلمانوں پر طلوع ہوگا۔ اگر الندوہ فی الحقیقت کامیاب ہو گیا یعنی شیعہ وسنی، وہابی وحنفی وغیرہ علما درحقیقت اسلام کی عمارت بنانے میں متفق ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد

الگ نہ بنائی تو ہندستان ومشرق میں مسلمان قوم کا ایک زندہ تاج محل بن جانا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔''

لیکن اس کتاب میں ایک کمی ہے، جن شخصیات کے اقتباسات شامل ہیں، ان کے حالات یا تذکرے نہیں دیے گئے ہیں، لہٰذا اگر ہم اس کتاب سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ پادری جان ملکم کون تھے، تو مایوسی ہاتھ آئے گی۔ اس کمی کے باوجود یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔

تینوں کتابیں 'اثراتِ شبلی' کی دونوں جلدیں اور 'شبلی اقتباسات کی روشنی میں' ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔ پہلی کتاب کی دونوں جلدوں کی مجموعی قیمت ۸۰۰-روپیہ ہے، مجموعی ضخامت ۵۴۴-صفحات ہے۔ ان جلدوں کا انتساب بالترتیب ڈاکٹر دبیر احمد، صدر شعبہ اردو مولانا آزاد کالج، کولکاتا، اور ڈاکٹر محمد شکیل اختر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام ہے۔ دوسری کتاب ۱۶۰-صفحات پر مشتمل ہے، قیمت ۲۵۰-روپے ہے۔ اس کا انتساب مولانا اعجاز احمد اعظمی کے نام ہے۔

---

[۲۱]

بیانِ شبلی-۲

ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب 'بیانِ شبلی-۲' مذکورہ کتابوں سے پہلے ملی تھی، اس کا تفصیلی تذکرہ پھر کبھی۔ مختصراً اتنا بتا دوں کہ یہ کتاب بیان شبلی کا دوسرا حصہ ہے اور اس نام سے مزید حصے بھی شائع ہونے کی امید ہے، بلکہ بیانِ شبلی-۳ کا سرورق آ گیا ہے اور کتاب پریس میں جا چکی ہے۔ اس کتاب میں علامہ شبلی کی خدمات وحیات پر گیارہ مقالے شامل ہیں، ان مقالوں کا بڑا حصہ شبلی کی وفات پر لکھی گئیں تعزیتی تحریروں پر مشتمل ہے۔ ان تحریروں کو بڑی ہی محنت سے تلاش کیا گیا ہے۔ کتاب کے پیش گفتار میں حافظ عمیر الصدیق ندوی نے سچ ہی لکھا ہے:

> ''ایسے خزانوں کی تلاش اور پھر حفاظت سے ان کی یک جائی محض برائے شوق نہیں، اس کے لیے قسام ازل جنون اور وارفتگی کی عطا وبخشش کا فیصلہ کرتا ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ الیاس صاحب کو شبلی کی طرح نصیب کی دولت ملی تو یہ کچھ مبالغہ نہیں، نہ یہ حیرت کی بات ہے۔''

ندوی صاحب نے شبلی کے جس نصیب کی جانب اشارہ کیا ہے وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایک مضمون کے حوالہ سے ہے جس میں لکھا ہے:

> ''تنوع یا رنگا رنگی کی دولت شبلی ہی کے نصیب میں آئی۔''

اس کتاب کا انتساب تخلیقی نثر نگار اور صاحب طرز ادیب حقانی القاسمی کی نذر

ہے۔ کتاب نئی دہلی کے معروف ادارے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے خوب صورت انداز میں شائع کی ہے۔ کتاب ۲۲۴-صفحات کی ہے، قیمت ۳۵۰-روپیہ ہے۔ اس کتاب کا اشاریہ مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے بڑی ہی عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔

ضمیمہ:

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف

از- ڈاکٹر سفیر اختر
سابق چیف ایڈیٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد

حال ہی میں دو کتابیں ایسی آئی ہیں جن میں شبلی شناس ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کچھ کتابوں پر کیے گئے تبصروں کو جمع کیا گیا ہے۔ ایک کتاب کا نام ''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف'' ہے، اس کتاب کی ترتیب و تقدیم محمد عرفات اعجاز اعظمی نے کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دس کتابوں پر ڈاکٹر سفیر اختر کے کیے گئے تبصرے جمع کیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب کا نام ''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت شبلی شناس'' ہے۔ اس کتاب کی مرتب شائستہ ریاض ہیں۔

پہلی کتاب میں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، کل دس تبصرے جمع کیے گئے ہیں، لیکن یہ دس تبصرے نو کتابوں پر ہیں۔ ایک کتاب ''شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات'' پر سفیر اختر کے دو تبصرے ہیں اور دونوں ہی تبصرے بالکل الگ انداز کے ہیں، دونوں ہی تبصروں میں لکھنے کا طرز بھی جداگانہ ہے۔

محمد عرفات اعجاز اعظمی نے حرفِ آغاز میں ڈاکٹر سفیر اختر کا تعارف بھی کرایا ہے اور ان کی تبصرہ نگاری پر اپنی رائے بھی پیش کی ہے۔ ڈاکٹر سفیر اختر اسلام آباد، پاکستان، کے علمی پرچے ''تحقیقاتِ اسلامی'' کے مدیر رہ چکے ہیں اور ایک قدآور عالم و محقق کی

حیثیت سے معروف اور معتبر شناخت رکھتے ہیں۔ پاکستان کی پنجاب یونی ورسٹی سے انھوں نے سیاسیات میں ایم، اے کیا، پھر وہیں سے تاریخ میں ایم،اے کیا، پھر بی ایڈ کی سند حاصل کی اور نیویارک یونی ورسٹی سے سیاسیات میں پی، ایچ، ڈی کی۔ واپس لوٹے تو پاکستان کے کئی تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیے۔خود شبلی شناس ہیں، علامہ شبلی پر ایک اہم کتاب ''کتاب نامہ شبلی'' مرتب کر چکے ہیں۔اب تک مختلف اہم موضوعات پر ان کی بیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔موصوف کئی علمی و ادبی رسائل سے مدیر یا نائب مدیر کی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں۔

یہ تمام تبصرے پاکستانی رسائل میں شائع ہوئے تھے، انھیں محمد عرفات اعجاز اعظمی نے بڑی ہی محنت سے جمع کیا اور مجموعے کی شکل دی ہے۔محمد عرفات اعجاز اعظمی کو میں ان دنوں سے جانتا ہوں، جب وہ کچھ دنوں کے لیے ممبئی اپنے والد مولانا اعجاز احمد اعظمی کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لیے آئے تھے۔اس وقت ان کے دو ہی ٹھکانے تھے: والد صاحب کے قریب بیٹھنا اور اردو کتابوں کی دوکان مکتبہ جامعہ کے چکر لگانا۔ انھیں کتابوں سے بلا کی محبت ہے، ادبی ذوق اعلی اور ستھرا و نکھرا ہوا ہے۔

ڈاکٹر سفیر اختر کے تبصروں کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

> ''ڈاکٹر سفیر اختر صاحب تبصرہ برائے تبصرہ نہیں لکھتے ہیں، بلکہ ان کے تبصرے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہ نظرِ تعمق بالاستیعاب کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے بعد ہی تبصرہ کے لیے قلم اٹھاتے ہیں۔''

ان تبصروں کو پڑھتے ہوئے محمد عرفات اعجاز اعظمی کی بات درست لگتی ہے۔ تبصرے اس قدر جامع ہیں کہ پوری کتاب پڑھے بغیر اتنے جامع تبصرے ممکن ہی نہیں تھے۔ ساتھ ہی سفیر اختر نے اپنی علمیت کا سکہ جمائے بغیر کتابوں میں شامل خامیوں اور کمیوں کا اسی طرح اظہار کیا ہے جیسے کہ کتابوں کی خوبیوں کا۔ لہجہ ہر جگہ متوازن اور

ہمدردانہ ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کریں۔ مکتوباتِ شبلی پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب مرتب کے پاس کتاب کی ترتیب اور اس کے حواشی کے لیے مناسب وقت نہیں تھا۔ رواروی کے نتیجے میں سہو ہائے قلم کی تعداد بڑھ گئی ہے۔''

وہیں یہ بھی لکھتے ہیں:

''ان جزوی کمزوریوں سے قطع نظر مکتوباتِ شبلی کا ان شاء اللہ شمار علامہ شبلی نعمانی کے کارنامۂ حیات کی تحقیق و تفحص کے حوالے سے ان مآخذ میں ہوگا جن کا مطالعہ ناگزیر سمجھا جائے گا۔''

اس کتاب میں جن کتابوں کے تبصرے شامل ہیں، ان کے نام ہیں: دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات، عظمت کے نشاں، شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات و خدمات، متعلقات شبلی، مطالعات و مشاہدات، کتابیاتِ شبلی، مکتوباتِ شبلی پر ایک نظر، شبلی شناسی کے سو سال اور یادِ رفتگاں۔ عرفات اعظمی نے اس کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتابوں کی پوری فہرست بھی دے دی ہے۔ کل کتابیں ۴۵- ہیں، جن میں ۱۸- کتابیں علامہ شبلی نعمانی کی حیات و خدمات پر ہیں۔ اشاریہ بھی دیا گیا ہے جس میں مقامات اور کتب و رسائل کے نام بھی شامل ہیں۔

اشاریہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بحیثیت مصنف

[حصہ سوم]

محمد عرفات اعجاز اعظمی

اشخاص

(آ)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:۴۱، ۴۲
آدم شیخ، ڈاکٹر:۱۴، ۸۳
آذرمیدخت صفوی، ڈاکٹر:۱۴
آرنلڈ، پروفیسر:۸۹
آزاد، ابوالکلام:۱۶، ۲۴، ۳۶، ۷۱، ۷۷، ۸۹
آزاد، جگن ناتھ:۲۲
آغا خان:۸۶
آل احمد سرور:۲۲
(الف)
ابرار اعظمی، ڈاکٹر:۸۳
ابوالحسن علی ندوی، مولانا:۲۴، ۹۰
ابوسلمان شاہ جہاں پوری، ڈاکٹر:۹۱
احسان احمد، مرزا:۲۴، ۲۷
احمد سعید، پروفیسر:۸۳
اسیرادروی، مولانا:۱۳
اشتیاق احمد ظلی، ڈاکٹر:۱۵، ۳۰
اعجاز احمد اعظمی، مولانا:۲۴، ۹۳، ۹۷
افضال اللہ قادری، شاہ:۸۳
اقبال، علامہ:۳۶، ۴۷، ۸۳، ۸۹
اکبر الہ آبادی:۸۶
اکبر رحمانی، پروفیسر:۱۲
الٰہی شاہ:۳۵
امیر مینائی:۸۱
امین زبیری، منشی:۸۹، ۹۰
انور اعظمی:۸۳
ایم ایل گھوش، پروفیسر:۴۷
ایم نسیم اعظمی، ڈاکٹر:۳۸
(ب)
بسمل، قربان علی، سید:۳۷
بیگم مہدی افادی:۸۹
(ج)
جالبی، جمیل، ڈاکٹر:۱۴، ۲۷
جان ملکم، پادری:۹۲، ۹۳
جرجی زیدان:۴۶، ۶۷، ۸۹
جلال الدین عمری، مولانا:۱۴
جوہر، محمد علی، مولانا:۲۴، ۸۶
(ح)
حالی، الطاف حسین، مولانا:۱۸، ۴۲، ۵۷، ۶۰، ۸۶، ۹۰

حامد سراج:٨٣
حامد، سید:١٢
حبیب اللہ، شیخ:٣۵
حسن نظامی، خواجہ:٢۴، ۴٧
حقانی القاسمی:۴٣،٩۴
حنیف نقوی، پروفیسر:٨٣

(خ)

خالد ندیم، ڈاکٹر:۴٢،۵۴، ٨٠
خلیق انجم:١٢،١۴
خورشید احمد نعمانی، پروفیسر:١۴، ٢٧

(د)

دبیر احمد، ڈاکٹر:٩٣

(ر)

رابع حسنی ندوی، مولانا:١۴، ٩٠
رائے نہال چند:۴٦
رشید احمد صدیقی:١۴
رشید الدین انصاری، شیخ:۴٧
رشید حسن خان:٩٠
رئیس احمد جعفری:٨٩

(ز)

زاہد ندیم، خواجہ:٢۵
زتشی، منوہر لال:٨٩

(س)

سراج الدین، قاضی:۴۵
سر سید احمد خان:١٨، ٢١، ٢٧، ٣١، ۴۵، ۵٦، ۵٧، ۵٨، ۵٩، ٦٠، ٦٨، ٧٦، ٨٣، ٨۵، ٨٩
سعود عالم قاسمی، پروفیسر:٨١، ٨٢
سعید احمد اکبر آبادی، مولانا:١۴
سفیر اختر، ڈاکٹر:٩٦، ٩٧
سلیمان ندوی، مولانا:١٩، ۴٧، ٨٣
سمیع اللہ خان، مولوی:۵٧، ۵٨
سہیل، اقبال احمد خاں:٨٣
سید علی امجدی، مولوی:٨٩

(ش)

شائستہ ریاض:٩٦
شبلی نعمانی، علامہ:١٣، ١۴، ١۵، ١٦، ١٧، ١٨، ١٩، ٢٠، ٢٢، ٢۴، ٢٦، ٢٩، ٣٠، ٣١، ٣٢، ٣٣، ٣۴، ٣٦، ٣٧، ٣٩، ۴٠، ۴١، ۴۴، ۴۵، ۴٦، ۴٧، ۴٨، ۴٩، ۵٠، ۵١، ۵٢، ۵٣، ۵۴، ۵۵، ۵٧، ۵٨، ۵٩، ٦٠، ٦١، ٦٢، ٦٣، ٦۴، ٦٧، ٦٨، ٦٩، ٧١، ٧٢، ٧٣، ٧۴، ٧۵، ٧٦، ٧٧، ٧٩، ٨٠، ٨١، ٨٣، ٨۵، ٨٦، ٨٧، ٨٩، ٩٠، ٩۴، ٩٧، ٩٨
شبنم سبحانی، عبدالباری، سید:١٢، ٢٧

شرر،عبدالحلیم:۸۹
شروانی،حبیب الرحمان،مولانا:۲،۷
شروانی،ریاض الرحمان،پروفیسر:۲۴
شکیل اختر،ڈاکٹر:۹۳
شکیل رشید:۶،۷،۸،۹،۱۰
شمس الرحمان فاروقی:۱۳،۲۳،۲۴،۸۳،۹۰
شمیم طارق:۹۱
شیرعلی،مفتی:۴۶
(ص)
صفدر سلطان اصلاحی،ڈاکٹر:۸۳
(ض)
ضیاءالدین اصلاحی،مولانا:۲۷،۵۱
ضیاءالدین انصاری:۱۲
(ظ)
ظفراحمد صدیقی،ڈاکٹر:۸۳
ظہورالحسن موسوی،سید:۳۷
(ع)
عبدالباری ندوی،مولانا:۲۴
عبدالحق،مولوی،بابائے اردو:۱۷،۸۹،۹۰
عبدالحلیم،مولانا:۲۷
عبدالحی،مولانا:۸۹
عبدالرزاق قریشی:۹۰
عبدالرزاق کان پوری،مولانا:۸۹
عبدالستار دلوی،پروفیسر:۱۴،۹۱،
عبدالسلام ندوی،مولانا:۶۲،۸۳
عبداللطیف اعظمی:۳۱
عبداللہ بن مقفع:۱۶
عبداللہ،پاپامیاں:۲۴
عبدالماجد دریا آبادی،مولانا:۲۴،۸۹،۹۴
عبدالمجید اصلاحی،مولانا:۲۷
عبدالودود،قاضی:۲۲
عزیز احمد:۵۰
عطا خورشید،ڈاکٹر:۳۹،۴۰،۴۳
عطیہ فیضی:۳۶،۳۷،۸۶
علی جواد زیدی:۹۰
عمر،حضرت:۲۰
(غ)
غالب،مرزا:۱۱،۱۸،۳۱،۳۶،۶۷،۸۰
غضاری رازی:۱۹
غلام احمد کلامی،نواب:۴۶
(ف)
فاروق اعظمی:۸۳
فخرالاسلام اعظمی،ڈاکٹر:۵۶،۶۲،۶۳،۷۸
(ق)

قائمہ بی بی:۳۰،۳۵

(ک)

کبیر جائسی، پروفیسر:۱۲،۲۷

کلیم الدین احمد، پروفیسر:۳۱

کلیم، محبوب الرحمان:۸۳

(گ)

گیان چند جین:۱۴

(ل)

لطف علی خان لطف، مرزا:۱۷

(م)

مالک رام:۲۲

مجروح سلطان پوری:۲۹

مجنوں گورکھ پوری:۸۹

مجیب اللہ ندوی، مولانا:۲۷،۹۰

محبوب الرحمان فاروقی:۱۴

محسن الملک، نواب:۳۱،۳۶،۵۷،۶۰

محسن عثمانی، پروفیسر:۱۴

محمد ارشد خان، ڈاکٹر:۴۳

محمد اسحاق، وکیل:۳۱،۳۷

محمد اسماعیل بھالدار، میر منشی:۵۳

محمد اشہد اعظمی، مولانا:۱۰

محمد اکرام، شیخ:۵۰

محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر:۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴،
۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۹، ۳۰،
۳۱، ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۴، ۴۹، ۵۰،
۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۲،
۶۳، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵،
۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۹۱، ۹۶،
۹۷

محمد ایوب، حکیم:۲۷

محمد سمیع، مولوی:۸۰

محمد عرفات اعجاز اعظمی:۱۰، ۴۲، ۵۳، ۶۶،
۷۸، ۸۰، ۸۲، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸

محمد علی حسن خان، نواب:۲۴

محمد علی مونگیری، مولانا:۷۷

محمد عمران خان ندوی، مولانا:۲۴

محمد عمیر الصدیق ندوی، حافظ:۸۲، ۹۴

محمد مرسی، ڈاکٹر:۸۳

محمد یونس، مولانا:۳۷

محمود عباسی:۸۹

مختار شمیم، ڈاکٹر:۸۳

مسعود حسن، ڈاکٹر:۸۰

معین الدین عقیل، ڈاکٹر:۵۰

ملا واحدی:۲۴

ملک زادہ منظور، پروفیسر:۱۲، ۲۷
میر اسحاق، ڈاکٹر:۵۳
میر انیس:۸۹
میمونہ سلطان شاہ بانو:۸۹
(ن)
نذیر احمد، ڈپٹی:۲۷،۳۶،
نصر اللہ خان:۳۶
نظر، نوبت رائے:۸۶
نگار سجاد ظہیر، ڈاکٹر:۹۱
نواب سلطان بیگم:۱۴، ۸۹،
نیاز واحدی:۲۷
(و)
وحید قریشی، ڈاکٹر:۴۸
وقار الملک، نواب:۵۷
ولایت حسین، میر:۲۴
(ہ)
ہاشم قدوائی، پروفیسر:۱۴، ۲۷
ہدف لکھنوی، سید کاظم حسین:۲۰

○○○

کتب و رسائل

(الف)
اثرات شبلی:۸۷،۹۳
اخبار عالم:۶
اختر اقبال:۲۴
اردو بک ریویو:۷
اردو ٹائمز:۶
افادات شبلی:۹،۸۱
الاطبا:۷۰
البرامکہ:۸۹
الجزیہ:۵۳
الفاروق:۳۴، ۴۵، ۴۷، ۵۳
الفہرست:۷۰
المامون:۱۶،۳۴
المرأۃ المسلمہ:۷۰
الندوہ:۱۶،۴۶،۹۲
انقلاب:۶
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر:۳۴
اورینٹل کالج میگزین:۲۰
ایجوکیشن:۷۰

(ب)

باقیاتِ شبلی:۱۹

پریچنگ آف اسلام:۸۹

بیانِ شبلی-۱:۴۴، ۴۷

بیانِ شبلی-۲:۹، ۹۴

بیانِ شبلی-۳:۹۴

(پ)

پیسہ:۸۱

پیغمبرانِ ہند:۱۷

(ت)

تاریخ تمدنِ سلامی:۶۷

تاریخ صولت شاہی:۶۰

تحقیقاتِ اسلامی:۹۶

تذکرہ گلشن ہند:۱۷

تصانیفِ شبلی کے اردو تراجم:۹، ۴۹، ۵۰

(ج)

جامعہ:۵۱

(ح)

حرف واثر:۹، ۸۳

حکایتِ ہستی:۲۴

حیاتِ جاوید:۱۸

حیاتِ محسن:۶۰

(خ)

خطباتِ شبلی:۶۲

خطباتِ شبلی[نو دریافت]:۶۲

خطوطِ شبلی:۴۷، ۵۷، ۹۰

خطوطِ شبلی بنام شروانی:۵۷

(د)

دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات:۹۸

(ڈ)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت شبلی شناس:۹۶

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف:۶، ۱۰، ۹۶

(ر)

رہنمایانِ ہند:۷۰

(س)

سرگزشت:۲۴

سفرنامہ پنجاب:۲۱

سیرۃ الفاروق:۴۵

سیرت النبی:۳۴، ۴۷، ۵۳، ۶۸

(ش)

شاہ معین احمد ندوی: حیات وخدمات:۱۴، ۹۶، ۹۸

شبلی اقتباسات کی روشنی میں:۹، ۹۲، ۹۳

شبلی اور جہان شبلی: ۴۵
شبلی خودنوشتوں میں: ۲۲، ۲۳، ۸۸
شبلی شناسی کے سو سال: ۹۸
شبلی کی حیات معاشقہ: ۴۸
شبلی کے مکتوب الیہ: ۹، ۸۵
شعرالعجم: ۲۰، ۴۴، ۴۷، ۵۳

(ص)

صحیح بخاری: ۷۷
صحیح مسلم: ۷۷

(ط)

طبقات الارض: ۷۰

(ع)

عبرت: ۲۰
عظمت کے نشاں: ۹۸
علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو: ۹، ۶۷
علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں: ۲۹
علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ: ۴۷، ۷۹، ۸۵
علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط: ۸۵

(غ)

غنچۂ جاوید: ۲۰

(ق)

قد اور سائے: ۹، ۲۶
قدیم فارس: ۷۰

(ک)

کانفرنس کی سو سالہ روداد: ۶۰
کتاب الروح: ۷۰
کتابیات شبلی: ۳۷، ۹۸
کتاب نامہ شبلی: ۹۸
کلام شبلی کے اعلام و اشخاص: ۳۹، ۴۴

(ل)

لسان الصدق: ۵۴، ۷۱،

(م)

مالابار: ۶۰
متعلقات شبلی: ۴۵، ۹۸
محبت نامے: ۱۰، ۱۱، ۸۵
مراسلات شبلی: ۱۵، ۷۵
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ: ۹، ۵۵
مسلم گزٹ: ۱۶
مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں: ۲۴
مطالعات و مشاہدات: ۹۸
معارف: ۵۱، ۸۴
مقدمہ ابن خلدون: ۷۰

مکاتیب شبلی: ۷۴، ۷۵

مکتوبات شبلی: ۷۳، ۷۴، ۷۸، ۸۵، ۹۸

ممبئی اردو نیوز: ۶، ۷، ۹

موازنہ انیس و دبیر: ۳۴

(ن)

نامہ دانش وراں: ۷۰

نقد شعر العجم: ۷۴

نقوش شبلی: ۳۲، ۴۴، ۴۵

نوادرات شبلی: ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۸۱،

(و)

وقار حیات: ۶۰

(ہ)

ہندستان: ۶

(ی)

یادرفتگاں: ۹۸

یادگار غالب: ۱۸

○○○

مقامات

(آ)

آگرہ: ۲۴

(الف)

ارجن گڑھ: ۴۶

اسلام آباد: ۹۶

اعظم گڑھ: ۱۰، ۱۵، ۲۴، ۲۷، ۲۹، ۳۳، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۳، ۴۸، ۵۶، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۷، ۷۴، ۸۴، ۸۶

افغانستان: ۵۳

امریکہ: ۵۳

(ب)

بمبئی/ممبئی: ۷، ۲۰، ۶۳، ۸۱، ۸۷، ۹۷

بنگال: ۷۲

بھوپال: ۶۳

(پ)

پاکستان: ۹۶، ۹۷

پٹنہ: ۸۰

پورے یہبل: ۶

(ت)
تامل ناڈو:۴۶
(ج)
جون پور:۳۵
(ح)
حیدرآباد:۶۳
(د)
دلی/ دہلی:۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۴، ۶۳، ۶۸، ۷۹،
۸۲، ۹۵
(ر)
رام پور:۶۳
(س)
سرگودھا:۵۴
سلطان پور:۶
سہارن پور:۳۵
(ع)
عدن:۷۶
علی گڑھ:۳۲، ۳۳، ۴۰، ۴۵، ۴۶، ۵۶، ۵۸،
۶۰، ۶۳، ۶۷، ۶۸، ۷۹، ۸۰، ۸۹
(ک)
کلکتہ/کولکاتا:۳۶، ۳۷، ۹۳
(ل)
لاہور:۳۵، ۳۷، ۶۳،
لکھنؤ:۶۳
(م)
میرٹھ:۴۶
(ن)
نجیب آباد:۲۰
نیویارک:۹۷
(ہ)
ہند/ ہندوستان:۳۲، ۳۳

❍❍❍

تعارف

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

نام : محمد الیاس الاعظمی

ولدیت : حاجی عبدالرزاق مرحوم

پیدائش : ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۶ء، بروز جمعہ، صبح ۳۰-۸ بجے

پتہ : موضع مہراج پور، انور گنج، ضلع اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱ (یو پی)

رہائش : **شائستہ منزل**، ۶۴۱۔ پورہ غلامی عقب آواس وکاس شہر اعظم گڑھ
پن ۲۷۶۰۰۱ [یو پی]

تعلیم : ایم اے۔ اردو۔ آگرہ یونیورسٹی آگرہ
پی ایچ ڈی، اردو۔ پوروانچل یونیورسٹی، جون پور

مشغلہ : پرنسپل: پری ہائر سکنڈری اسکول، اعظم گڑھ

رابطہ : +919838573645

ای میل : azmi408@gmail.com

تصنیفات، تالیفات، کتابیات اور تراجم

۱۔ اسہل التجوید۔ (فن تجوید) طبع اول: مکتبہ نعیمیہ مئو، ۱۹۸۶ء
طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء
طبع سوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء

۲۔ علم الترتیل۔ (فن قرات) دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۹۶ء

۳۔ تذکرۃ القراء (تذکرہ) دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۹۶ء۔ طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء

۴۔ اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر (تدوین) دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء

۵۔ علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ (تاریخ) طبع اول: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری

پٹنہ،۲۰۰۱ء طبع دوم: ادبی دائرہ،اعظم گڑھ۔جون۲۰۱۴ء

۶۔ دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات۔(تحقیق) خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۲۰۰۲ء

۷۔ اشاریہ ماہنامہ الرشاد۔ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ،۲۰۰۴ء

۸۔ موازنہ انیس ودبیر(تدوین) دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۰۴ء

۹۔ عظمت کے نشاں۔(شخصیات)ادب کدہ،مہراج پور اعظم گڑھ،۲۰۰۵ء

اترپردیش اردو اکادمی لکھنو انعام۔۲۰۰۵ء

طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۰ء

۱۰۔ ساحلوں کے شہر میں(سفرنامہ)طبع اول: ادب کدہ،مہراج پور اعظم گڑھ،۲۰۰۶ء

طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء

۱۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات وخدمات(سوانح)ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۰۷ء

۱۲۔ متعلقات شبلی۔(شبلیات)ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۰۸ء

اترپردیش اردو اکادمی لکھنو انعام۔۲۰۰۸ء

طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ،فروری ۲۰۱۱ء

۱۳۔ کاروان رفتگاں،مولانا مجیب اللہ ندوی(تدوین)ندوۃ التالیف والترجمہ اعظم گڑھ،۲۰۰۸ء

۱۴۔ رحمت عالم ہندی(ترجمہ)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۰۹ء

طبع دوم: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

طبع سوم: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

طبع چہارم: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء

۱۵۔ نیور بی اے ہندو۔اردو(ترجمہ)اسلامک بک فاؤنڈیشن،دہلی،۲۰۱۰ء

طبع دوم: اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی،۲۰۱۷ء

۱۶۔ مطالعات ومشاہدات۔(شخصیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۰ء

۱۷۔ کتابیات شبلی۔(کتابیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،۲۰۱۱ء

۱۸۔ تاریخ اعظم گڑھ۔شاہ افضال اللہ(تدوین)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۱ء

۱۹۔ شبلی سخنوروں کی نظر میں ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

اترپردیش اردو اکادمی لکھنو انعام یافتہ ۔۲۰۱۲ء

۲۰۔ مکتوبات شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۲۱۔ کتابیں حصہ اول ۔(تبصرے)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۲۲۔ کتابیں حصہ دوم ۔(تبصرے)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۳۔ آثار شبلی ۔(شبلیات) دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۴۔ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ۔(شبلیات)ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۵۔ یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی ۔(سوانح)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۶۔ عکس واثر ۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۷۔ شبلی شناسی کے سو سال ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۱۔ بہار اردو اکادمی پٹنہ کا اول انعام ۔سند نمبر ۲۰۱۴ء/۰۱۰

۲۔اترپردیش اردو اکادمی لکھنو انعام ۔۲۰۱۴ء

۲۸۔ کتابیات مجیب ۔(کتابیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۲۹۔ شذرات شبلی ۔(شبلیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۳۰۔ اقبال اور دبستان شبلی ۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء

۳۱۔ قرائے عظام اوران کی علمی ودینی خدمات (تذکرہ)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۳۲۔ شبلی اور جہان شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء

۳۳۔ مراسلات شبلی ۔(شبلیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،۲۰۱۶ء

۳۴۔ کلیات نشور واحدی حصہ غزلیات (ترتیب)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۶ء

۳۵۔ محبت نامے ۔(مشاہیر کے خطوط بنام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

۳۶۔ نوادرات شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

جان گل کرسٹ ایوارڈ ۔مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا ۔

۳۷۔ شبلی خود نوشتوں میں ۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۸ء

۳۸۔ قد اور سائے۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء

۳۹۔ علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں (شبلیات) دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء

۴۰۔ نقوش شبلی۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء

۴۱۔ کلام شبلی کے اعلام واشخاص۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء

۴۲۔ بیان شبلی جلد اول (شبلیات) ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۱ء

۴۳۔ بیان شبلی جلد دوم (شبلیات) ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۲ء

۴۴۔ افادات شبلی۔(شبلیات) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی،۲۰۲۲ء

۴۵۔ شبلی اقتباسات کی روشنی میں۔ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۲ء

۴۶۔ علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو۔مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا،۲۰۲۱ء

۴۷۔ اثرات شبلی (اول ودوم) ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۲ء

رکن مجلس ادارت ومشاورت :

۱۔ماہ نامہ الرشاد اعظم گڑھ ۲۔ماہ نامہ آموزگار،جل گاؤں

۳۔سہ ماہی مجلّہ فکر ونظر اسلام آباد ۴۔سہ ماہی مجلّہ جہات الاسلام لاہور

۵۔ادبی گزٹ مئو ۶۔سہ ماہی تخلیق وتحقیق،مئو

۷۔سہ ماہی رشد وہدایت۔مبارک پور ۸۔ماہنامہ الماس۔ممبئ

اعزاز ، انعام ، ایوارڈ :

۱۔رفیق اعزازی: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،۲۰۰۹ء

۲۔افتخار شبلی ایوارڈ: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ،حیدرآباد،۲۰۱۶ء

۳۔امتیاز شبلی ایوارڈ: شعبہ اردو شبلی نیشنل پی جی کالج،اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

۴۔جان گل کرسٹ ایوارڈ ۲۰۱۷ء: مغربی بنگال اردو،اکادمی،کولکاتا

۵۔مسعود حسن رضوی انعام برائے تحقیق ۲۰۱۸ء: اترپردیش اردو اکادمی،لکھنو

۶۔سند توصیف: بزم حفیظ جون پوری شیراز ہند جون پور،۲۰۱۹ء

•••

Dr. Ilyas Azmi Bahaisiyat Musannif - 3
by: Shakeel Rasheed
Edited by: Mohammad Arfat Ejaz Azmi

مرتب کی دیگر مطبوعات

- علوم ونکات جلد اول (مجموعۂ مضامین مولانا اعجاز احمد اعظمی)
- علوم ونکات جلد دوم (مجموعۂ مضامین مولانا اعجاز احمد اعظمی)
- نمونے کے انسان (اہل اللہ اور بزرگانِ دین کے واقعات)
- سراپا اعجاز (حیات وخدمات مولانا اعجاز احمد اعظمی)
- کاروانِ حرم (سید احمد شہید رحمہ اللہ کا سفر نامہ حج مع مختصر حالات زندگی)
- بزمِ کہن (تذکرے اور خاکے از مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی)
- اعجاز نامے (مولانا اعجاز احمد اعظمی کے مکتوبات)
- ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف (حصہ اول از ڈاکٹر سفیر اختر)
- ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف (حصہ دوم از پروفیسر ریاض الرحمان شروانی)
- ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف (حصہ سوم از شکیل رشید)
- کلامِ جوہر (مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی کے منظومات)
- شیخ ابوالغوث گرم دیوان: حیات ومکتوبات
- کلامِ کوثر (قاضی محمد شعیب کوثر اعظمی کے منظومات)

ISBN 9788119184088
9 788119 184088

مرکزی پبلیکیشنز
MARKAZI PUBLICATIONS
S-17/4, Jogabai Ext. Jamia Nagar, Okhla New Delhi-110025
Cont: 9811794822 / 21, E-mail:markazipublication@gmail.com